امتحانی مشق نمبر 1

سوال نمبر 1۔ قرآن مجید کی تعریف کیجئے اور کورس میں مذکور اس کے پانچ اسماء کی تشریح کیجئے نیز موضوع قرآن پر نوٹ لکھیئے۔

قرآن مجید کا تعارف اللہ تعالی نے بھی کرایا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی۔ نیز سلف نے بھی اصطلاحی تعریف پیش کی۔

اللہ تعالی کے نزدیک: سورۃ الشعراء میں قرآن کریم کا تفصیلی تعارف ہے کہ یہ کس کی طرف سے ہے؟ کس کے ذریعے آیا ہے؟ کس پر نازل ہوا ہے؟ مقصد نزول کیا ہے؟ عربی میں کیوں نازل ہوا؟

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾} (الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۶) ۔

بلاشبہ یہ قرآن مجید رب العالمین کا نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر نازل ہوئے، آپ ﷺ کے قلب اطہر پر انہوں نے نازل کیا تاکہ آپ ﷺ متنبہ کرنے والے ہوں۔ صاف عربی زبان میں ہے۔ اور بلاشبہ (اس کا ذکر) پچھلی کتب میں بھی ہے۔

سورہ القمر میں اسے آسان کتاب فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ القمر: ۱۷

بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو آسان بنادیا ہے تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ہو؟ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے باب فضائل القرآن (۲۹۰۶) میں درج ذیل حدیث بیان کی ہے جس میں آپ ﷺ نے قرآن کا تعارف پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار رہنا! عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ان سے بچا کیسے جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب سے۔ جس میں تم سے پہلے جو کچھ ہوا اس کی خبریں ہیں اور جو بعد میں ہوگا اس کی بھی اطلاعات ہیں، جو تمہارے مابین اختلاف ہوگا اس کا فیصلہ بھی ہے۔ یہ فیصل کتاب ہے مذاق وٹھٹھہ نہیں ہے۔ جو مغرور اسے چھوڑے گا اللہ تعالی اسے توڑ کر رکھ دے گا۔ جس نے اس کے علاوہ کہیں اور سے راہنمائی لی اسے اللہ بھٹکا دے گا۔ یہ قرآن اللہ کی بڑی مضبوط رسی ہے اور بڑا حکیمانہ ذکر ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی قرآن ہے جس سے خواہشات کبھی نہیں بھٹکتیں نہ ہی زبانیں لڑکھڑاتی ہیں، علماء اس سے کبھی سیراب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ بار بار پڑھنے سے پرانا لگتا ہے۔ اس کے عجائب نہ ختم ہونے والے ہیں۔ یہ وہی قرآن ہے جسے سن کر جن نہ رک سکے اور پکار اٹھے: بلاشبہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راستی کی طرف راہنمائی کرتا

ہے ہم اس پر ایمان لائے (سورہ الجن) جس نے اس قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے کہے پر عمل کیا اس نے اجر پایا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ دیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم کی راہ دکھادی گئی۔ (عن علی بن ابی طالب)

قرآن کریم کی خصوصیات:

مندرجہ بالا تعریف میں قرآن مجید اور اس کی خصوصیات کا اجمالی (summery) تذکرہ آگیا ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کلام اللہ:

قرآن میں صرف اللہ تعالی کا کلام ہے۔ کسی انسان، جن یا فرشتے کا کلام اس میں شامل نہیں۔ اسے اللہ تعالی نے خود ہی کلام اللہ یا آیات اللہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

}۔۔ حَتّٰی یَسۡمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ {التوبۃ:٦)

.... تاکہ وہ کلام اللہ کو سن لے۔

}۔۔۔ یَتۡلُوۡنَ آیَاتِ اللّٰہِ){آل عمران: ١١٣)

وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔

غیر مخلوق:

قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے اور کلام کرنا اللہ تعالی کی صفت ہے اس لئے یہ بھی اللہ تعالی کی ذات کی طرح غیر مخلوق ہے۔ گو ہم اس صفت کی حقیقت نہیں جانتے اور نہ ہی اسے مخلوق کی طرح سمجھتے ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ } لیس کمثلہ شیٔ {۔ اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ دو فرقے اس بارے میں گمراہ ہو گئے۔ ایک قدریہ معتزلہ ہے جو اللہ تعالی کی صفات کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر تاویلیں کرتا ہے۔ تاویل سے صفات کی تخفیف وانکار لازم آتا ہے جو انتہائی کفر ہے۔ دوسرا فرقہ مشبہہ مجسمہ ہے وہ اس صفت کو مخلوق کے مشابہ بتاتا ہے یہ بھی پہلے سے کم گمراہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ جو اللہ تعالی کی صفات قرآن کریم اور حدیث رسول میں آئی ہیں ان کے لفظی معنی معلوم ہونے کے بعد پھر کیفیت کی کھد یڑ نہ کی جائے۔ جب اصل حقیقت کا علم نہیں تو اسے مخلوق کے مشابہ قرار دینا کون سی دانش مندی ہے۔ یہ ازلی صفات کا اقرار ہے اور تاویل کا انکار۔

یعنی قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد نہیں بلکہ اس کے فوائد ہیں۔ یہ مختصر، جامع، تعمیری، اور واقعیت پسندی کے ساتھ اپنے معانی واہداف کو بیان کرتے ہیں۔ مثلاً طٰہ، الٓم، عسق وغیرہ۔ انہیں ہم زائد نہیں کہتے مگر اس کے فوائد عرب بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان کے خطباء کے ہاں ان کی زبردست اہمیت ہے۔ ان کی مراد اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ میں کچھ لوگ کہا کرتے کہ یہ الفاظ زائد اور بے فائدہ ہیں۔ جس پر انہوں نے فرمایا:

خُذُوْا ہٰؤُلَاءِ، وَجَنِّبُوْہم فِی حَشَا الْحَلْقَۃِ۔

انہیں پکڑو اور انہیں ہمارے حلقے سے الگ کرکے اس کے حاشیے میں بٹھادو۔ اس لئے انہیں حشویہ کہا گیا۔

ظاہری معنی ہی مراد ہوگا:

اس کے باطنی معنی لینے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں۔ایسے دعوے دراصل قرآن کریم کو اپنے من پسند عقائد و نظریات میں ڈھالنے کی دعوت ہے۔مگر جو معنی ومفہوم اللہ تعالی نے اپنے رسول کو بتائے، صحابہ کرام نے جن پر عمل کیا انہیں قابل اعتناء نہ سمجھا جائے یہ کون سی قرآن دانی ہے؟۔

باطنیہ کہا کرتے:

قرآن کے الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا اور اس کے باطن کا مفہوم ہر کوئی نہیں جانتا۔اسے صرف ہمارے باطنی ائمہ ہی جانتے ہیں۔باطنی معنی میں اشاری معنی بھی آجاتا ہے۔مثلاً کوئی یہ کہے کہ اس لفظ کے معنی ومفہوم کا مجھے اشارہ ہوا ہے۔یہ اشارے اگر اللہ کے رسول کے کہے یا مراد کے مطابق ہوں تو درست ورنہ یہ شیطانی اشارے بھی ہوسکتے ہیں۔یہ دونوں انداز فکر رسول اللہ ﷺ سے اور امت کے اجماع سے جان چھڑانے اور اپنی الگ شریعت سازی کے مترادف ہیں۔

عاجز کردینے والا:

الْمُعْجِز کا مطلب ہے عاجز کردینے والا۔قرآن مجید نے ثابت کردیا کہ عرب فصحاء ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسان اس جیسی کتاب پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔اس میں غیب کی خبریں اور امم سابقہ کے حالات ہیں۔زمان و مکان کی مناسبت سے معاشی اور معاشرتی ضرورت کو دیکھ کر اس میں محکم قانون سازی کی گئی ہے۔عقل انسانی دنگ اور بے بس ہے کہ اس جیسی کوئی چیز مقابلہ کے طور پر لاسکے۔خود قرآن نے بنی نوع انسان کو متعدد بار یہ چیلنج دیا کہ وہ اس جیسی کوئی چیز لے آئیں۔باوجود اس بات کے کہ یہ چیلنج ہمتوں کو ابھارنے والا اور مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے والا تھا۔محرک بھی موجود تھا مگر پھر بھی وہ اس کے مقابلہ سے عاجز رہے۔مثلا ارشاد باری تعالی ہے:

{قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا} (الإسراء : ۸۸)

کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر اس قرآن کی مانند ایک کتاب لانا چاہیں تو نہ لا سکیں گے۔خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی چیلنج کو ایک اور جگہ ذرا کمی کرکے ان الفاظ میں دہرایا گیا:

{اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ}

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے رسول نے گھڑا ہے۔کہہ دیجئے کہ اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلانا چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

جب اس سے بھی عاجز رہے تو ایک آدھ چھوٹی سورت کا کہہ دیا۔

وَاِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

اگر اس چیز کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اللہ کے سوا اپنے تمام مددگار بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اس چیلنج کا اولین مقصد یہی تھا کہ نبی اُمی جناب محمد بن عبداللہ ﷺ کی رسالت و نبوت ثابت کی جا سکے۔ رسول اکرم ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے حق میں معجزہ ہے مگر امت کا اُمی ہونا امت کے حق میں معجزہ نہیں۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے آج پندرہ سو سال گزر گئے ہیں یہ بھی اس کا معجزہ ہے جس نے افرادِ امت کا تعلق نہ صرف اللہ سے جوڑا بلکہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی منسلک کر دیا۔ اس کے علاوہ بے شمار پہلو ایسے ہیں جو معجز ہیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

المُنَزَّلُ کا مطلب ہے بتدریج نازل کردہ۔ یعنی صرف وہ کلام، قرآن یا کلام اللہ ہے جو آپ ﷺ پر بذریعہ وحی اترا۔ صحف ابراہیم و موسیٰ، تورات، زبور، انجیل وغیرہ کلام الٰہی ہونے کے باوجود قرآن میں شامل نہیں کیونکہ وہ دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ منزّل کہنے سے یہ نکات بھی معلوم ہوئے کہ غیر اللہ یعنی کسی انسان، نبی، فرشتہ کا کلام اس میں شامل نہیں۔ خواہ وہ حدیث قدسی ہی کیوں نہ ہو۔ نیز قرآن مجید عربی میں ہے اور لفظ و معنی دونوں کا نام ہے۔ اس بناء پر احادیث قرآن میں شامل نہیں کیونکہ ان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اگرچہ ان کے مضامین و مطالب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحیِ خفی آپ ﷺ پر نازل ہوئے ہیں۔ اسی طرح تفسیر قرآن بھی اس میں داخل نہیں خواہ وہ عربی میں ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی عربی سے دوسری زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی قرآن نہیں اور نہ یہ ترجمہ قرآن میں شامل ہے۔

بذریعہ جبرائیل:

قرآن مجید، سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے کیونکہ وہی حفظ و یادداشت کا مرکز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

}وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ{ ۝ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵)

اور بلاشبہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر اترے ہیں اسے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا ہے تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف، واضح عربی زبان میں ہے۔

اس طرح قرآن کی عظمت، ملائکہ اور اہل ایمان دونوں پر واضح کر دی گئی اور آپ ﷺ کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ شیطانی کلام نہیں بلکہ جبریل امین ہی اسے میرے پاس لائے ہیں جو فرشتوں کے مطاع ہیں۔ باقی قائمۃ الکروبین، اہل المراتب والتمکین جیسے فرشتے یا نون فرشتہ اور قلم فرشتہ سب اختراعات ہیں جو عوام کو قرآنی عقیدہ سے ہٹانے والی باتیں ہیں۔

لسان عربی:

ابن فارس نے لکھا ہے } : خلق الِانسان علمہ البیان { اللہ تعالی نے بیان کو دیگر مخلوقات مثلاً: شمس وقمر، نجوم وشجر کے ذکر سے قبل بیان کی۔ جس کا سکھادینا بہت بڑی عنایت ربانی ہے دوسرے اس سے محروم ہیں۔ پھر یہ بیان عربی زبان میں ہے کیونکہ دیگر زبانوں میں یہ وسعت نہیں اسی بناء پر عربی زبان کا انتخاب اللہ تعالی نے فرمایا۔ باقی وحی کا کسی زبان میں اترنا بڑا مسئلہ نہیں۔ اگر وحی عبرانی یا سریانی زبان میں اتر سکتی ہے تو خالص عربی میں کیوں نہیں؟ لسان عربی سے مراد یہ نہیں کہ قرآن مجید سابقہ الہامی کتب کے مثل ایک کتاب ہے بلکہ بنیادی طور پر دوسری کتب کے مقابلے میں قرآن مجید کو اپنا منفرد مقام حاصل ہے۔

کتابی شکل:

المکتوب کا مطلب ہے لکھا ہوا۔ اور المصاحف جمع ہے مصحف کی، یعنی یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے نیز آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ بھی اسے لکھوا لیتے۔ مگر کتابت سے پہلے بھی یہ قرآن، قرآن کہلاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ قرآن محض زبانی الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ کتابی شکل میں بھی ہے ارشاد باری تعالی ہے:

} وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ {

قسم ہے طور کی ، اور لکھی ہوئی کتاب کی، پھیلے ہوئے صفحات میں۔

اس کی قراءت عبادت ہے:

یعنی اس کتاب کی تلاوت کو عبادت کا درجہ حاصل ہے تاکہ مومن رب کی قربت حاصل کرے۔ اسے اقامت صلوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اس پر نہ ضائع ہونے والی تجارت کی بشارت دی گئی ہے۔

} اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ { فاطر: ۲۹

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں رزق دیا اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز ضائع نہیں ہوگی۔

آپ ﷺ نے تلاوت قرآن پر ثواب کی بشارت یوں ارشاد فرمائی:

جو شخص قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت کرے گا۔ اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ اور میم ایک حرف ہے۔

سوال نمبر 2۔ علم المباحثہ کو بیان کرتے ہوئے مشرکین کی گمراہیوں کے متعلقات کے بارے میں مختصر مگر جامع انداز میں بحث

کیجئے۔

تبلیغِ دین کے لئے رسول اللہ • کے سامنے آنے والی رکاوٹوں میں ایک اہم مسئلہ مشرکین مکہ کی مکاریاں ہیں۔ ۱۷ ربیع الاول کی مناسبت سے معروف محقق رسول جعفریان کی ایک تحقیق کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے جس میں ان مکاریوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

جب رسولِ اکرم • پر اولین آیات کا نزول ہوا اور آپ • نے حضرت علیؑ، بی بی خدیجہ اور زید بن حارثہ کے ساتھ کعبہ کے نزدیک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی تو اسلام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ایک مورخ زہری کہتا ہے: رسولِ خدا خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے جس کے جواب میں بعض نوجوان اور کمزور عوام آپ • کی طرف مائل ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھنے لگی؛ اس دور میں قریش کے سردار حضور • کے ساتھ برا رویہ نہیں رکھتے تھے۔ جب کبھی رسول اللہ ان کے قریب سے گزرتے تو آپ • کی طرف اشارہ کر کے کہا کرتے: ''فرزندِ عبد المطلب آسمان کی باتیں کرتا ہے''۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آنحضور • نے ان کے خداوں کی برائی کرنا شروع کر دی اور ان سے کہا کہ ان کے باپ دادا کفر و گمراہی میں تھے اور اب وہ جہنم میں ہیں۔ اس پر وہ غضبناک ہوئے اور آپ • کو اذیتیں دینے لگے۔ پہلے مرحلے میں مشرکوں کی جانب سے برا سلوک نہ کرنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ قریش کو بت پرستی سے کوئی جذباتی لگاو اور لوگوں کے تبدیلی دین سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کے لئے مشکل یہ تھی کہ کوئی ان بتوں اور اس سے زیادہ اہم ان کے آبائ واجداد کی توہین کرنے لگے۔ چنانچہ وہ بعد میں رسول اللہ کو یہ پیشکش کرتے رہتے تھے کہ آپ • ان کے خداوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ وہ بھی آپ • کو آپ • کے خدا کے ساتھ چھوڑ دیں۔ بتوں کی تائید نہ کرنے بلکہ بت پرستی کی سختی کے ساتھ مذمت کے حوالے سے جب اللہ کے رسول • کا اصلی پیغام ظاہر ہوا تو رسول • و اصحاب رسول • کے ساتھ مشرکوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ خطے کے مخصوص قبائلی سسٹم کی وجہ سے قریش مجبور تھے کہ وہ ایک خاص حدود کے اندر رہتے ہوئے آنحضرت • کا مقابلہ کریں۔ وہ لوگ، اولادِ عبد المطلب کی جانب سے نبی اکرم • کی حمایت کی وجہ سے براہِ راست آپ • کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بنا بریں وہ لوگ ایسے وسائل کی فکر میں تھے جن سے استفادہ کرنے میں ان کو مکمل اختیار و آزادی حاصل ہو۔ چنانچہ وہ عام مسلمانوں کو اذیتیں دینے لگے۔ قریش کے اقدامات کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے: تاریخ وار جائزہ یا موضوعی اعتبار سے جائزہ۔ ہم اختصار کے پیشِ نظر موضوعی اعتبار سے جائزہ لیں گے۔

1۔ صلح:

قریش کے لوگ تجارت پیشہ تھے اور اپنا کام جاری رکھنے کے لئے انہیں امن و امان کی ضرورت تھی، اسی لئے وہ اسلام کے مسئلے کو خاموشی سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ البتہ رسولِ خدا کو ختم کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس طرح خود قریش کے اندر ایک خون آشام اور لامحدود جنگ شروع ہو جاتی۔ بنا بریں ہجرت سے پہلے تک وہ بات چیت کے ذریعے ہی مسئلے کو حل کرنا چاہتے تھے۔

صلح کے لئے انہوں نے رسول اللہ کو مال اور مقام کی پیشکش کی۔ ابنِ اسحق کہتا ہے: آیت ’’ قُل مَا سَأَلتُكُم مِّن أَجرٍ فَهُوَ لَكُم إِن أَجرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ‘‘، مشرکوں کی مالی پیشکش کے انکار کے حوالے سے نازل ہوئی ہے۔ اسی کا کہنا ہے کہ قریش کے سرداروں نے اللہ کے رسول • کے پاس کسی کو بھیج کر مذاکرات کی درخواست بھی کی تھی۔ انہوں نے کہا: تم اپنی قوم پر ایسی چیز لے آئے ہو جو کوئی عرب نہیں لایا ہے۔ تم نے ہمارے اجداد اور ہمارے دین کو برا بھلا کہا، ہمارے خداوں کو دھتکارا، ہمارے داناوں کو احمق گردانا، ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اگر تم اپنی ان حرکتوں سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اتنا دیں گے کہ تمہاری دولت سب سے زیادہ ہو جائے گی، اگر عظمت و شرافت کی تلاش میں ہو تو ہم تمہیں اپنی سرداری دیتے ہیں؛ اگر ملک اور بادشاہی کے خواہشمند ہو تو ہم یہ بھی کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر تم پر جن کا غلبہ ہو گیا ہے تو ہم تمہارا علاج کراتے ہیں! اللہ کے رسول • نے جواب میں فرمایا کہ ان میں سے کسی بھی چیز کے لئے انہوں نے نبوت کا دعوی نہیں کیا ہے بلکہ وہ صرف اللہ کے رسول ہیں جو ان کی نصیحت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

آنحضرت • فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ سورج کو ان کے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو ان کے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تو بھی وہ اپنی دعوت کے عمل کو اس کے غلبے تک جاری رکھیں گے۔ مشرکوں کی صلح کا ایک اور مقصد رسولِ خدا کو خاموش کرنا تھا۔ دراصل، جس زمانے میں اللہ کے رسول • نے اعلانیہ دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا اور باضابطہ طور پر مشرکوں کے عقائد کی مذمت نہیں کی تھی، مشرکوں نے انہیں آزاد چھوڑا ہوا تھا۔ ٹکراو اس وقت ہوا جب آنحضرت • نے اپنی دعوت توحید کا علی الاعلان آغاز کیا اور بت پرستی کو غلط قرار دیا۔ مشرکین چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہ کے کام کو محدود کر دیں اور وہ ان کے خداوں سے کوئی مطلب نہ رکھیں۔ سیرت النبی کے لکھنے والوں اور قرآن کی تفسیر کرنے والوں کے بقول، سورہ کافرون قریش کے بعض سرداروں جیسے حارث بن قیس سہمی، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ اور امیۃ ابن خلف کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! ایک سال تم ہمارے خداوں کی پرستش کرو ہم بھی ایک سال تمہارے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس طرح ہم میں سے جو بھی حق پر ہوگا، دوسرا اس کی پیروی کر کے حق سے کچھ استفادہ کر لے گا۔ رسول اللہ • نے خدا کے ساتھ شرک کرنے سے پرہیز کیا اور ان کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ مشرکین اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ رسول اللہ صرف بتوں کو ہاتھ سے مس کر لیں اور جواب میں وہ ان کے خدا کی تائید کر دیں گے۔ اس موقع پر سورہ کافرون نازل ہوئی اور توحید اور شرک کے راستوں کو یکسر جدا کر دیا۔ ابنِ عباس کہتے ہیں: جس زمانے میں حضرت ابو طالب زندگی کے آخری لمحات سے نزدیک ہونے لگے، تو قریش ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا ہو رہا ہے، اسے اپنے پاس بلائیں، اور کچھ ایسا کر دیں کہ وہ ہمیں ہمارے دین کے ساتھ چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے دین کے ساتھ؛ حضرت ابو طالب نے رسول اللہ کو بلایا اور مشرکوں کی باتیں گوش گذار کر دیں۔ آنحضرت • نے فرمایا: اگر میری صرف ایک بات مان لیں تو عربوں پر حکومت حاصل کر لیں گے اور عجم ان کے دین کو قبول کر لیں گے۔ ابو جہل نے کہا کہ ہم دس باتیں ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ کے رسول • نے لا الہ الا اللہ کہنے اور بت پرستی کو ترک کرنے کی دعوت دی۔

رسولِ خدا کو صلح پر مجبور کرنے کے لئے مشرکوں کے اقدامات بہت وسیع تھے اور انہیں امید تھی کہ اپنی پیشکشوں کے ذریعے سے وہ آپ ﷺ کی سرعت کو کم کر دیں گے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کو فریب دینے کی بھی کوشش کی۔ امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی بعض آیات سورہ کافرون کی طرح کفار کی پیشکشوں کے حوالے سے نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے: ''اور نزدیک تھا کہ یہ لوگ آپ کو ہماری وحی سے ہٹا کر دوسری باتوں کے افترا پر آمادہ کر دیں اور اس طرح یہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہماری توفیق خاص نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ (بشری طور پر) کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ضرور ہو جاتے۔ اور پھر ہم زندگانی دنیا اور موت دونوں مرحلوں پر دہرا مزہ چکھاتے اور آپ ہمارے خلاف کوئی مددگار اور کمک کرنے والا بھی نہ پاتے۔'' طبرسی نے اس آیت کے لئے پانچ شانِ نزول نقل کی ہیں۔ اور یہ تمام کسی نہ کسی طور پر عباداتی صلح پر مشرکوں کے اصرار کی خبر دیتی ہیں۔ قرآن میں متعدد آیات ایسی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ مشرکین بہت زیادہ اصرار کیا کرتے تھے کہ رسولِ خدا اپنی جانب سے آیت گھڑ کر خدا کی طرف جھوٹی نسبت دے دیں۔ ان تمام آیات میں تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو نازل شدہ آیات میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ سے کہا کہ مشرکوں کی کسی خواہش پر کان نہ دھریں: ''پھر ہم نے آپ کو اپنے حکم کے واضح راستے پر لگا دیا۔ لہذا آپ اسی کا اتباع کریں اور خبردار جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔'' اور ایک بار پھر فرمایا: ''فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، لہذا تم جھٹلانے والوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم لچک دکھاو تاکہ وہ بھی لچک دکھائیں۔ اور کسی ذلیل، زیادہ قسم کھانے والے کی اطاعت نہ کرو۔'' یہ آخری آیات خصوصی طور پر تصریح کر رہی ہیں کہ قریش اپنے اور رسول اللہ کے درمیان کشیدگی کو کم کرنا چاہتے تھے اور دوسرے مقام پر فرمایا: ''فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ، وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ، لہذا آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح استقامت سے کام لیں اور وہ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ خدا کی جانب رُخ کر لیا ہے۔ اور کوئی کسی طرح کی زیادتی نہ کرے کہ خدا سب کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاو اختیار نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمہیں چھولے گی اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا اور تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔'' نیز فرمایا: ''فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ، پس اسی طرح سے پکارو اور جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح سے استقامت سے کام لو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔'' اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ ''فَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا، مشرکوں سے مناسب طریقے سے دوری اختیار کرو۔'' یہ حکم دعوت کے ابتدائی دور کا ہے اور شاید اس لئے ہے کہ توحید اور شرک کا راستہ مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا ہو جائے۔ مشرکین یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی توحید اور ان کے شرک کے درمیان فرق اتنا نہ بڑھ جائے کہ مکہ کی سوسائٹی میں دراڑیں پڑ جائیں؛

2۔نفسیاتی مقابلہ:

رسولِ اکرم ؐ کو تکلیف پہنچانے کے لئے مشرکین آپ ؐ کا مذاق اڑاتے تھے۔ان کا اصل مقصد آنحضور ؐ کی شخصیت کو توڑنا، انہیں گوشہ نشینی پر مجبور کرنا نیز عوام الناس کے سامنے آپ ؐ کو ذلیل و رسوا کرنا تھا تاکہ نہ آپ ؐ معاشرے میں ابھر سکیں اور نہ عوام الناس آپ ؐ کی جانب توجہ کرے۔ رسول اللہ ؐ جو کہ صاحبِ عزت اور سچے انسان تھے، پر اس سلوک کا ذہنی اثر کم نہیں ہو سکتا، اس کے باوجود آپ ؐ نے صداقت و نجابت کی بنیاد پر اس تمسخر آمیز رویہ کا مقابلہ کیا۔ابن سعد، ابن اسحق اور بلاذری نے تمسخر کرنے والوں کے ناموں کی فہرست بھی بیان کی ہے۔

ابن سعد نے جو دسیوں نام ذکر کئے ہیں ان میں سے صرف دو افراد بعد میں ایمان لائے جبکہ دوسرے لوگ یا تو جنگوں کے دوران مارے گئے یا فتحِ مکہ سے پہلے مر گئے۔ سیرت نویسوں نے اسے مذاق اڑانے والوں کے لئے حق میں رسول اللہ ؐ کی بددعا کا اثر قرار دیا ہے۔ان میں سے اہم ترین افراد، ابو جہل، ابو لہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عُقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان ہیں۔ابو لہب (عبد العزیٰ بن عبد المطلب) جو کہ رسول اللہ کے دو مخالف ہاشمیوں میں سے ایک تھا، اس نے بعثت کے پورے دور میں فروغِ اسلام میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔

بلاذری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ؐ کے ساتھ ابو لہب کے تعلقات بعثت سے قبل بھی کشیدہ تھے کیونکہ جب ایک مرتبہ ابو لہب اور ابو طالبؑ کے درمیان لڑائی ہوئی اور ابو لہب ابو طالبؑ کے سینے پر سوار ہو گیا تو رسولِ خدا نے اسے ایک طرف گرا دیا اور پھر جناب ابو طالبؑ اس پر سوار ہو گئے تھے۔اپنی مخالفت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابو لہب کہتا تھا: اے عبد المطلب کے فرزندو! یہ (اسلام) ایک بری چیز ہے، اس سے پہلے کہ دوسرے اس کا راستہ روکیں تم خود اس کو روک دو؛ کیونکہ اگر تم مسلمان ہو گئے تو دوسرے عربوں کے درمیان ذلیل ہو جاوٴ گے اور تم نے اس کا دفاع کیا تو تم مارے جاوٴ گے۔اسی روایت میں ہے کہ وہ اس بات سے خوفزدہ تھا کہ بنی عبد المطلب تمام قریش اور عربوں کے مقابل نہ آجائیں۔

بہر صورت اعلانیہ دعوت کے آغاز کے بعد ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے پوری طاقت کے ساتھ رسولِ خدا ؐ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا یہاں تک کہ دشمنوں کی ریل پیل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صرف اس کا اور اس کی بیوی ہی کا ذکر کیا ہے۔جب اللہ کے رسول ؐ لوگوں کو توحید کی دعوت دیا کرتے تھے تو وہ ان کے پیچھے چلتا رہتا، ان کو پتھر مارتا اور لوگوں سے کہتا: اس کی بات نہ مانو، وہ صابئ ہو گیا ہے، وہ جھوٹا ہے!

کہا گیا ہے کہ خدا نے ابو لہب کی بیوی کو سورہ تبّت میں اس لئے حمالۃ الحطب کہا ہے کہ وہ رسول اللہ ؐ کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ام جمیل نے جب سنا کہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں تو اس نے رسول اللہ کی ہجو میں یہ شعر کہے:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا وَ دِينَهُ قَلَيْنَا

مذمت شدہ انسان نے ہماری نافرمانی کی اور ہم نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اس کے دین نے ہم کو غضبناک کردیا ہے"۔ ممکن ہے کہ مذمم کا لفظ مشرکوں نے لفظ محمدؐ کے مقابلے میں جعل کیا ہو۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ کا ایک اور رشتہ دار تھا جس نے زبردست دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اشعار کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر اس نے اظہارِ اسلام کردیا تھا۔ امیہ بن خلف بھی تمسخر کرنے والوں میں شامل تھا۔ کہتے ہیں کہ سورہ ہمزہ اسی کے بارے میں نازل ہوا۔

عقبہ بن ابی معیط اور اُبَیّ بن خلف آپس میں گہرے دوست تھے؛ جب اُبَیّ نے سنا کہ عقبہ رسول اللہ کے پاس بیٹھا ہوا ہے تو وہ سخت برآشفتہ ہوا اور بولا: میں تم سے صرف اس صورت میں بات کروں گا جب تم رسول کے آنے پر ان کے چہرے پر آبِ دہان ڈالو گے۔ اور اس نے ایسا کردیا! اللہ تعالی نے اس کے بارے میں فرمایا: "جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش میں نے وہی راستہ اختیار کیا ہوتا جو رسول نے اختیار کیا تھا۔ اے کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا"۔

جب ایک موقع پر ابوجہل نے اپنے ایک قرض خواہ کا قرض ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا تو اس نے فریادِ استغاثہ بلند کردی۔ مشرکوں نے اس کا مذاق اڑایا اور اسے مسجد کے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک شخص سے رجوع کرنے کو کہا جو رسول اللہ • کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ رسول اللہ اٹھے اور ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ اس شخص کا حق اسے دیدے۔ ابوجہل نے بے ساختہ آپ • کی بات پر عمل کردیا۔

تمسخر کا یہ سلسلہ اتنا وسیع تھا کہ اللہ تعالی نے آپ • سے فرمایا: "اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ۔" یعنی استہزا کرنے والوں کے مقابلے میں ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔ دوسری آیات میں بھی اللہ تعالی نے مشرکوں کے تمسخر کی وجہ سے اپنے رسول کو تسلی دی ہے: "آپ سے پہلے جو دوسرے رسول تھے ان کا بھی (یہ کافر) مذاق اڑاتے تھے"۔ یہ عبارت تین بار دہرائی گئی ہے اور اس میں رسول اللہ • کو تسلی دینے کے علاوہ تمسخر کرنے والوں کے لئے ایک دھمکی بھی ہے کیونکہ آگے ارشاد ہوتا ہے: "لیکن جس عذاب کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوکر رہا"۔

آپ • کو کذاب، ساحر اور سب سے بدتر مجنون کی نسبت دی جاتی تھی۔ مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ آیات قرآنی کی سنجیدگی اور تقدس کا خاتمہ کردیں اور اللہ کے رسول • کو ایک جن زدہ شخص اور جھوٹا قرار دیدیں۔

اللہ تعالی نے یہاں پر بھی اپنے رسول • کو مطمئن کرنے کے لئے گذشتہ امتوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کیا: "اسی طرح، گذشتہ امتوں پر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر انہوں نے کہا: یہ جادو گر یا دیوانہ ہے۔

سوال نمبر 3۔ قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لیے پڑھنے والے کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو مختصر مگر جامع انداز میں تحریر کیجئے۔

قرآن کریم کو سمجھنے کے بارے میں ہمارے ہاں عام طور پر دو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں:

1. ایک یہ کہ قرآن کریم کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اس کے لیے بہت سارے علوم ضروری ہیں اور ان علوم پر عبور حاصل کیے بغیر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔
2. اور دوسری یہ کہ جس شخص کو قرآن کریم کو تھوڑا بہت سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے، وہ اتھارٹی بن کر بیٹھ جاتا ہے کہ اب اس کی تشریح بھی کروں گا۔ اس کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ لوگ اب اسی کی طرف رجوع کریں اور قرآن کریم کی تشریح کے حوالے سے اسی کی بات کو حتمی سمجھیں۔

یہ دو انتہائیں ہیں اور دونوں درست نہیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی بات کو سمجھنا اور چیز ہے اور اس کو سمجھانا اور تشریح کرنا اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ کسی کلام کے مفہوم سے واقف ہونا اور چیز ہے، اور اس کی تشریح کا حق رکھنا اس سے مختلف چیز ہے۔ ہم دونوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں اور کنفیوژن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ کسی بھی ملک کے عام شہری کے لیے اپنے ملک کے رائج الوقت قوانین سے واقف ہونا اور اس کے ضروری تقاضوں کو سمجھنا بطور شہری اس کی ذمہ داری میں شامل ہوتا ہے۔ کوئی شہری قانون شکنی کا مرتکب ہو اور عدالت میں طلبی پر یہ کہہ دے کہ میں اس قانون سے واقف نہیں تھا، اس لیے مجھ سے خلاف ورزی کا ارتکاب ہو گیا ہے، تو کسی ملک کی کسی بھی سطح کی عدالت اس عذر کو قبول نہیں کرے گی اور اس بنیاد پر اسے بری نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ ایک شہری کی حیثیت سے اپنے ملک کے قوانین سے آگاہ ہونا تمہاری ذمہ داری ہے اور ملک کے ہر شہری کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کے قوانین سے آگاہ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص قانون سے واقف ہے اور اسے سمجھتا ہے، تو اسے صرف اس وجہ سے قانون کی تشریح کا حق حاصل نہیں ہو جائے گا کہ وہ کسی عدالت یا فورم میں یہ کہے کہ میں قانون کو جانتا ہوں، سمجھتا ہوں اور اس کے بارے میں میرا مطالعہ وسیع ہے، اس لیے میں قانون کی تشریح کا حق رکھتا ہوں، اس کی یہ دلیل کسی جگہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ قانون کی تشریح، اس سے کسی بات پر استدلال اور اس پر لاگو کرنے کا معیار الگ ہے اور اس کا طریق کار مختلف ہے۔ اس کے لیے قانون کی تعلیم، ڈگری اور تجربہ شرط ہے، اس کے بغیر کسی شخص کو محض مطالعے اور قانون کو سمجھنے اور جاننے کی بنیاد پر قانون کی تشریح کا حق نہیں مل سکتا۔

یہی اصول قرآن کریم کے حوالے سے بھی ہے کہ اس حد تک سمجھنا کہ اس کے احکام اور مفہوم سے آگاہی ہو اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھتے یا سنتے ہوئے معلوم ہو جائے کہ اس میں نماز کی بات ہے، روزے کی بات ہے، حلال و حرام کا مسئلہ ہے، جنت و دوزخ کا تذکرہ ہے، کس کام کا حکم دیا گیا ہے یا کس بات سے منع کیا گیا ہے، یہ ہر مسلمان مرد اور عورت کی ذمہ داری ہے اور یہ قرآن کریم کے حقوق میں ہے اور اس کلام میں اللہ تعالیٰ کے مخاطب ہم ہیں۔

فہم قرآن کریم کے تقاضے

پیغام کسی کا بھی ہو، اس کا پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ اسے پڑھا جائے اور سمجھا جائے۔ دفتر کا خط ہے، عدالت کا سمن ہے، کاروباری فرم کا لیٹر ہے، کسی دوست کی چٹھی ہے، حتیٰ کہ کسی دشمن کا خط ہے تب بھی اس کا پہلا حق یہ ہے کہ اسے پڑھا اور سمجھا جائے۔ ہم اس کے مفہوم کو قبول کریں یا نہ کریں یہ بعد کی بات ہے، لیکن کسی بھی پیغام کو وصول کرنے کے بعد ہم پر اس کا پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ ہم اسے سمجھیں۔ اسی طرح قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کو سمجھنا بھی قرآن کریم کے ان حقوق میں سے ہے، جو بحیثیت مسلمان ہم پر عائد ہوتے ہیں۔

البتہ فہم قرآن کریم کے چند ضروری تقاضوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ قرآن کریم کے حوالے سے کوئی الگ تقاضے نہیں ہیں، بلکہ وہی فطری تقاضے اور ضروریات ہیں جو دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی بھی گفتگو کو سمجھنے اور اس کے صحیح مفہوم سے آگاہی کے لیے ناگزیر سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً:

1. کسی بھی گفتگو اور کلام کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے آگاہی ہو۔ بات انگلش میں ہے تو انگلش زبان کا جاننا ضروری ہے، فارسی میں ہے تو فارسی جاننا ضروری ہے، اور پشتو میں ہے تو پشتو زبان سے آگاہی کے بغیر بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔
2. دوسرے نمبر پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ متکلم کی منشا تک رسائی ہو، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ سننے والے نے کلام کا مطلب کچھ اور سمجھا ہے، لیکن متکلم کہتا ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں جب کہ سننے والے کے فہم اور متکلم کی منشا میں فرق ہو جائے، تو متکلم کی منشا کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے اور اسی کے بیان کو اس کے کلام کا صحیح مفہوم اور مصداق سمجھا جاتا ہے۔
3. تیسرے نمبر پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ گفتگو کے محل، موقع اور پس منظر سے آگاہی حاصل کی جائے۔ کیونکہ ایک ہی جملے کا معنیٰ ایک جگہ اور ہوتا ہے اور وہی جملہ کسی اور موقع پر دوسرے پس منظر میں بولا جائے تو اس کا معنیٰ مختلف ہو جاتا ہے۔ کسی گفتگو کو اس کے پس منظر اور بیک گراؤنڈ سے ہٹ کر دیکھا جائے تو معنیٰ مختلف ہوتا ہے، اور جب اس کے پس منظر اور بیک گراؤنڈ کو سامنے لایا جائے تو اسی جملے اور کلام کا مفہوم اور مطلب یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ امور قرآن کریم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں ہونے والی گفتگو کو سمجھنے اور اس کے صحیح معنیٰ و مفہوم تک رسائی کے لیے یہ تینوں باتیں ضروری تصور کی جاتی ہیں۔ یہی تین باتیں قرآن کریم کے حوالے سے بھی ضروری ہیں اور ان کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنے اور اس کا معنیٰ ومفہوم متعین کرنے کی کوشش غلطی کا شکار ہو جاتی ہے۔ مثلاً عربی زبان کا جاننا قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن کریم کو براہ راست سمجھنا ممکن نہیں ہے، پھر عام عربی نہیں بلکہ وہ عربی جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ جس طرح کسی انگریزی اخبار کا مطالعہ کرنے کے لیے عام انگلش کافی ہے، لیکن شکسپیئر کے کلام کو سمجھنے کے لیے اس کے معیار کی انگلش سے واقف ہونا ضروری ہے، اسی طرح قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے بھی اس کے معیار کی عربی جاننا لازمی ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے مگر صرف عربی سے واقفیت کافی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں یہ غلط فہمی عام ہو گئی ہے کہ عربی زبان کا جان لینا ہی قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ عربی زبان کے ساتھ ساتھ متکلم کی منشا تک رسائی اور کلام کے پس منظر اور بیک گراؤنڈ سے آگاہ ہونا بھی اسی طرح ضروری ہے، کیونکہ سامع کے فہم اور متکلم کی منشا کے درمیان اختلاف ہو جانا ایک فطری عمل امر ہے اور ایسی صورت میں متکلم کی منشا معلوم کرنا اور اس کے مطابق کلام کا معنیٰ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے حوالے سے اس موقع پر ایک اور نکتہ کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کریم میں متکلم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن ہم تک یہ مقدس کلام اللہ تعالیٰ نے اپنے نمائندے کے ذریعے پہنچایا ہے اور وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور قرآن کریم کا متن اور الفاظ آپؐ کے ذریعے ہمیں ملے ہیں، اسی لیے قرآن کریم کی کسی آیت یا جملے کا مفہوم طے کرتے ہوئے اگر متکلم کی منشا معلوم کرنا ضروری ہو جائے تو اس کے لیے بھی متکلم کے نمائندے یعنی حضرت محمدؐ تک رسائی ضروری ہو گی۔ اور جس طرح ہم قرآن کریم کے الفاظ اور اس کا متن ہم نے آپؐ سے حاصل کیا ہے، ان الفاظ اور متن کا مفہوم سمجھنے کے لیے، متکلم کی منشا معلوم کرنے کی غرض سے بھی انہی سے رجوع کریں گے۔ اور آپؐ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور رسول ہیں اور ہم ان کی اس حیثیت پر ایمان لائے ہوئے ہیں، اس لیے وہ کسی آیت کا جو مفہوم بیان کریں گے، وہ قرآن کریم کے متکلم، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سمجھا جائے گا۔ یہ بات میں محض رسمی طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ صحابہ کرامؓ کے دور میں متعدد بار ایسا ہوا کہ قرآن کریم کی کسی آیت یا جملے کا مفہوم طے کرنے میں الجھن پیش آئی، تو صحابہ کرامؓ نے اس میں اللہ تعالیٰ کی منشا معلوم کرنے کے لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا اور رسول اللہ نے انہیں بتایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بہت سی آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اس موقع پر وقت کے اختصار کی وجہ سے صرف ایک آیت کریمہ کا حوالہ دوں گا۔

سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو خلط ملط نہ ہونے دیا، ان کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں"۔

اب یہاں امن، ہدایت اور ایمان کے لیے شرط یہ قرار پائی کہ ایمان کے ساتھ ظلم کا اختلاط والتباس نہ ہو۔ اور یہ بظاہر بہت سخت شرط ہے اس لیے کہ ظلم کا عام مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی ظلم کہلاتی ہے، جو کسی نہ کسی درجے میں عام طور پر ہوتی ہی رہتی ہے اور جس سے مکمل طور پر بچنا بہت مشکل کام ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہاں ظلم کا مطلب یہی سمجھا اور پریشان ہو گئے، ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ وہ چونکہ سمجھتے تھے اس لیے ایسی کسی بات پر پریشان بھی ہوتے تھے، ہم نے سرے سے یہ قصہ ہی نمٹا دیا کہ نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی پریشان ہوتے ہیں۔ ہم نے قرآن کریم کو سمجھنا ہی چھوڑ دیا تاکہ پریشانی تک نوبت نہ آئے۔ بہر حال صحابہ کرامؓ پریشان ہو گئے، آپس میں مشورہ کیا اور پھر جناب نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی ان کے سامنے رکھ دی۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ گزارش کی کہ "واینالم یظلم یارسول اللہ" یارسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس سے ظلم و زیادتی کا تھوڑا بہت ارتکاب نہیں ہوتا؟ اور اگر امن اور ہدایت کے لیے ایمان کا ظلم سے بالکل خالی ہونا ضروری ہے تو یہ شرط پورا کرنا کس کے بس کی بات ہے؟ جناب نبی اکرمؐ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ تمہاری پریشانی بجا ہے مگر اس آیت میں "ظلم" کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو، بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی مراد وہ ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اس لیے کہ "شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ اب آیت کریمہ کا معنیٰ یوں ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو خلط ملط نہ ہونے دیا، ان کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کی پریشانی دور ہو گئی۔ اس آیت کریمہ میں ظلم کا جو معنیٰ سننے والوں نے سمجھا تھا، وہ متکلم کی منشا کے خلاف تھا اور متکلم کی منشا کی وضاحت کے لیے متکلم کے نمائندے جناب نبی اکرمؐ سے رجوع کیا اور ان کی وضاحت کے ساتھ آیت کریمہ کا مفہوم و معنیٰ طے ہوا۔ اس لیے قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے عربی جاننے کے بعد جناب نبی اکرمؐ کی سنت و حدیث سے واقفیت بھی ضروری ہے اور مختلف آیات کریمہ کی انہوں نے جو تشریح و توضیح فرمائی ہے، اس سے آگاہی لازمی ہے، کیونکہ ان کی وضاحت کو متکلم کی منشا کی تشریح کا درجہ حاصل ہے اور اس کی موجودگی میں صرف سامعین کے فہم کو معیار قرار دے کر قرآن کریم کی کسی آیت کی صحیح تشریح نہیں کی جا سکتی۔

اسی طرح قرآن کریم کی کسی آیت کے صحیح مفہوم تک رسائی کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس موقع پر نازل ہوئی تھی اور اس کا پس منظر کیا ہے؟ کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کا ظاہری مفہوم مختلف ہوتا ہے، لیکن جب انہیں ان کے پس منظر اور شان نزول کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس پر بھی بہت سی آیات قرآنیہ پیش کی جا سکتی ہیں، جن میں سے ایک آیت کریمہ پیش کرنا چاہوں گا۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے درمیان بھی چکر لگائے''۔

یہاں ''فلا جناح علیہ ان یطوف بھما'' (پس کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے) کے جملے سے بظاہر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ حج اور عمرے میں صفا اور مروہ کی سعی ضروری امر نہیں ہے، حالانکہ فقہائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی حج اور عمرہ دونوں میں ضروری ہے اور اس کے بغیر نہ حج مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی عمرہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4۔ قرآن مجید سے متعلق مختلف قسم کے سوالات اور ان کے جوابات تحریر کیجئے۔

ہماری دکان پر اخبار آتا صرف اس مقصد سے کہ اس کی مدد ہو جائے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اخبار پر جگہ جگہ اللہ اور آپ ﷺ کا نام لکھا ہوتا ہے اور اخبار نیچے بھی گرتا ہے اور پاؤں میں بھی آتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہم گناہ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

صورتِ مسئولہ میں اگر یہ معلوم ہو کہ اخبار میں قرآنی آیات یا اللہ تعالی یا اس کے رسول ﷺ کا نام مبارک ہے تو اس کو ادب سے رکھنا اور بے ادبی سے بچانا واجب ہے، لہذا ایسے اخبارات کو استعمال کرنے کے بعد ان میں سے قرآنی آیات اور مقدس اَسماء کو نکال کر باقی اخبارات کو دنیاوی کاموں میں استعمال کرنا جائز ہے، اور ان مقدس اَوراق کا حکم یہ ہے:

1۔ اُن کو کسی محفوظ مقام پر پاک کپڑے میں ڈال کر دفن کر دیا جائے، یہی بہتر اور مذکورہ اشیاء کی توہین سے حفاظت کرنے کا احسن طریق ہے۔ (اگر عام آدمی کے لیے یہ مشکل ہو تو وہ جن مقامات پر مقدس اَوراق کے ڈبے رکھے ہوتے ہیں، ان ڈبوں میں ان کو رکھ دے۔)

2۔ مقدس اَوراق اگر دُھل سکتے ہوں تو حروف کو دھو کر ان کا پانی کسی کنویں یا ٹینکی یا کسی ایسی جگہ بہا دیں جہاں کسی قسم کی نجاست نہ پہنچے۔

3۔ مقدس اَوراق کو کسی تھیلی میں ڈال کر اس میں وزنی پتھر وغیرہ ڈال کر دریا یا سمندر یا کنویں میں بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

4۔ وہ تمام اَشیاء جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقدس نام ہوں، یا قرآنی آیات ہوں، ان اشیاء سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقدس ناموں اور آیتوں کو مٹا یا جائے، پھر ان کو کسی بھی دنیاوی کام کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

اگر کوئی قرآن کی چھوٹی سورتوں کو حفظ کرنے کا خواہش مند ہو تو کیا آخری سورت سے آغاز کیا جا سکتا ہے؟

آخری سورت سے حفظ کا آغاز کیا جاسکتا ہے، بلکہ عام طور پر مکاتب میں بچوں کو حفظِ قرآنِ کریم کا آغاز سورہ فاتحہ کے بعد آخری سورت سے ہی کرایا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس طرح یاد کرنے میں سہولت رہتی ہے۔

کیا کوئی شخص بغیر استاد کے قرآنِ مجید کی تفسیر پڑھ سکتا ہے؟

قرآنِ کریم کا ترجمہ اور تفسیر سمجھنے اور اس کو دوسروں کو پڑھانے کے لیے خود اِن علوم پر دسترس کے ساتھ ساتھ دیگر وہ علوم جو اس کے لیے معاون ہیں بقدرِ ضرورت ان کا سیکھنا بھی ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں جہاں قرآنِ کریم کا ترجمہ اور تفسیر پڑھائی جاتی ہے وہیں صرف، نحو، بلاغت اور اصولِ تفسیر وغیرہ علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں، لہذا قرآنِ مجید کی تفسیر پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی جید عالمِ دین کی نگرانی میں ہی کتبِ تفسیر کا مطالعہ کیا جائے، از خود قرآن کی تفسیر پڑھنے میں یہ احتمال رہتا ہے کہ غلط مطلب کو درست سمجھ بیٹھے اور اس کے مطابق اعتقاد رکھے یا عمل کرے، جو کہ دین میں بڑا نقصان ہے؛ اس لیے کسی مستند عالم کی نگرانی میں کتبِ تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اردو زبان میں عوام الناس کے لیے درج ذیل تراجم و تفاسیر مفید ہوں گی:

" -1آسان ترجمہ قرآن "(از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

" -2آسان بیان القرآن، مع تفسیر عثمانی" (تسہیل و ترتیب مولانا محمد عمر بدخشانی صاحب مدظلہ)

میں طالب علم ہوں، میرا ایک ساتھی ہے وہ بھی طالب علم ہے، ایک صاحب نے میرے ساتھی سے اپنے والد کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآنِ مجید پڑھوایا تھا، ان صاحب نے اس کو قرآن پڑھنے کے پیسے دیے، اس نے منع بھی کیا کہ جائز نہیں ہے، ان صاحب نے زبردستی دے دیے، اور کہا کہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، اب ان پیسوں کا وہ کیا کرے؟

صورتِ مسئولہ میں اس موقع پر رقم لینا جائز نہ ہوگا، لہذا مذکورہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ رقم واپس کردے، اگر وہ واپس نہ لیں تو کسی بھی عنوان سے رقم ان کو دے دی جائے۔ بعد میں کبھی اگر مذکورہ شخص بطورِ تحفہ رقم دے تو پھر لینا درست ہوگا

سوال نمبر 5۔ تفسیر و تاویل کی لغوی و اصطلاحی تعریف کیجئے اور دونوں میں فرق بیان کیجئے۔

تفسیر یہ لفظ "فسر یفسر تفسیرا "باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی واضح کرنے اور کھول دینے کے ہیں' جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ (الفرقان)

"یہ کافر آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ تفصیل آپ کو بتادیں گے۔"

اس آیت میں لفظ تفسیرا بمعنی تفصیلا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی معنی لیا ہے۔

تفسیر کی مفسرین نے مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے:

ھو علم یبحث فیہ عن احوال القرا ن المجید من حیث ولا لتیہ علی مراد اللہ تعالی بقدر الطاقۃ البشریۃ

(التفسیر ولمفسرون : 1/15 وقواعد التفسیر: 1/29)

"تفسیر ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن مجید کے احوال کے بارے میں اس طرح بحث کی جائے کہ اس سے اللہ کی مراد حاصل ہو جائے"

تاویل:

یہ لفظ "اول یوول تاویلا "باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں ۔

اصطلاحی تعریف:

تاویل کی تعریف میں متقدمیں ومتاخرین کا اختلاف ہے ۔

متقدمین کی تعریف:

متقدمین سے دو تعریفیں منقول ہیں:

"1- تاویل اور تفسیر دونوں مترادف ہیں ۔"

یعنی جو تعریف تفسیر کی ہے وہی تاویل کی ہے ۔ ان مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا یَعۡلَمُ تَأۡوِیلَهُۥۤ إِلَّا ٱللَّهُ۔۔۔۔۔۔۔﴿٧﴾(آل عمران)

"حالانکہ ان (محکمات اور متشابہات) کا مفہوم اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا "۔

2۔ "کسی کلام سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہو اسے تاویل کہتے ہیں"

متاخرین کی تعریف:

((ھو صرف اللفظ عن المعنی الراجح الی المعنی المرجوح لدلیل یقترن بہ)) (التفسیر والمفسرون: ۱/۱۸)

"کسی دلیل کے پیش نظر لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لے لینا تاویل کہلاتا ہے۔"

نوٹ : اصول فقہ اور اختلافی مسائل میں تاویل کا معنی متاخرین والا مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں تاویل کرنے والا دو چیزوں کا پابند ہوتا ہے:

1۔جو معنی وہ مراد لے رہا ہو لفظ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو ۔

2۔وہ دلیل یا قرینہ بیان کرے جس کی وجہ سے اس نے راجح معنی چھوڑ کر مرجوح معنی مراد لیا ہے' ورنہ وہ تاویل فاسد ہو گی بلکہ 'تحریف کے زمرہ میں آئے گی۔

تفسیر اور تاویل میں فرق:

متقدمین تو دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن متاخرین نے ان دونوں میں کئی انداز سے فرق بیان کیا ہے 'مثلا:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) تفسیر عام ہے اور تاویل خاص ہے یعنی تفسیر کا لفظ عموما الفاظ کے لیے اور تاویل کا لفظ معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ب) تفسیر کا عام طور استعمال "مفردات" میں ہوتا ہے اور تاویل کا اطلاق "جملوں" پر ہوتا ہے۔

امام ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس میں یقینی طور پر اللہ تعالی کی مراد معلوم ہو اسے تفسیر کہتے ہیں اور جس میں مختلف احتمالات رکھنے والے معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے لیکن یقینی فیصلہ نہ کیا جائے تو اسے تاویل کہتے ہیں۔

امام ابو طالب ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی' اسے بیان کرنا "تفسیر" کہلاتا ہے اور کسی لفظ کے باطنی اور مخفی معنی کے واضح کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

امام بغوی اور الکواشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آیت سے ایسا معنی مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو اور وہ آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو' نیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو' اسے "تاویل" کہتے ہیں۔اور کسی آیت کے سبب نزول اور واقعہ کے متعلقہ ذکر وبیان کو " تفسیر" کہتے ہیں ۔

بعض کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

بعض کے نزدیک جو مفہوم ترتیب عبارت سے حاصل ہو وہ تفسیر کہلائے گا اور جو مفہوم ترتیب عبارت سے اشارتا حاصل ہو وہ تاویل کہلائے گا۔

مذکورہ اقوال میں آخری قول زیادہ راجح ہے کیونکہ تفسیر کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

"آیت کی اس طرح وضاحت کرنا کہ اس سے مراد ربانی کا اظہار قطعیت اور وثوق سے ہو جائے"۔

اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہو گا جب خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سے روایتا منقول ہو جب کہ تاویل میں یہ بات ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایک لفظ میں جس قدر بھی معانی کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور ترجیح کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد میں لغت عرب اور سیاق و سباق کی طرف احتیاج ہوتی ہے جس کا تعلق درایت سے ہے۔

امتحانی مشق نمبر 1

سوال نمبر 1۔ قرآن مجید کی لغوی و اصطلاحی تعریف کیجئے اور اس کی عظمت کو پندرہ نکات کی صورت میں بیان کیجئے۔

قرآن مجید کا تعارف اللہ تعالی نے بھی کرایا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی۔ نیز سلف نے بھی اصطلاحی تعریف پیش کی۔

اللہ تعالی کے نزدیک: سورۃ الشعراء میں قرآن کریم کا تفصیلی تعارف ہے کہ یہ کس کی طرف سے ہے؟ کس کے ذریعے آیا ہے؟ کس پر نازل ہوا ہے؟ مقصد نزول کیا ہے؟ عربی میں کیوں نازل ہوا؟

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ }) الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۶) ۔

بلاشبہ یہ قرآن مجید رب العالمین کا نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر نازل ہوئے، آپ ﷺ کے قلب اطہر پر انہوں نے نازل کیا تا کہ آپ ﷺ متنبہ کرنے والے ہوں۔ صاف عربی زبان میں ہے۔ اور بلاشبہ (اس کا ذکر) پچھلی کتب میں بھی ہے۔

سورہ القمر میں اسے آسان کتاب فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ القمر:١٧

بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو آسان بنادیا ہے تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ہو؟ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے باب فضائل القرآن (٢٩٠٦) میں درج ذیل حدیث بیان کی ہے جس میں آپ ﷺ نے قرآن کا تعارف پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبر دار رہنا! عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! ان سے بچا کیسے جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب سے۔ جس میں تم سے پہلے جو کچھ ہوا اس کی خبریں ہیں اور جو بعد میں ہوگا اس کی بھی اطلاعات ہیں، جو تمہارے مابین اختلاف ہوگا اس کا فیصلہ بھی ہے۔ یہ فیصل کتاب ہے مذاق و ٹھٹھہ نہیں ہے۔ جو مغرور اسے چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دے گا۔ جس نے اس کے علاوہ کہیں اور سے راہنمائی لی اسے اللہ بھٹکا دے گا۔ یہ قرآن اللہ کی بڑی مضبوط رسی ہے اور بڑا حکیمانہ ذکر ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی قرآن ہے جس سے خواہشات کبھی نہیں بہکتیں نہ ہی زبانیں لڑکھڑاتی ہیں، علماء اس سے کبھی سیراب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ بار بار پڑھنے سے پرانا لگتا ہے۔ اس کے عجائب نہ ختم ہونے والے ہیں۔ یہ وہی قرآن ہے جسے سن کر جن نہ رک سکے اور پکار اٹھے: بلاشبہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راستی کی طرف راہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لائے (سورہ الجن) جس نے اس قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے کہے پر عمل کیا اس نے اجر پایا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ دیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم کی راہ دکھادی گئی۔ (عن علی بن ابی طالب)

قرآن کریم کی خصوصیات:

مندرجہ بالا تعریف میں قرآن مجید اور اس کی خصوصیات کا اجمالی (summery) تذکرہ آگیا ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کلام اللہ:

قرآن میں صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کسی انسان، جن یا فرشتے کا کلام اس میں شامل نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے خود ہی کلام اللہ یا آیات اللہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{۔۔ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ} (التوبة:٦)

....تاکہ وہ کلام اللہ کو سن لے۔

{۔۔۔يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ} (آل عمران: ١١٣)

وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔

غیر مخلوق:

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح غیر مخلوق ہے۔ گو ہم اس صفت کی حقیقت نہیں جانتے اور نہ ہی اسے مخلوق کی طرح سمجھتے ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ { لیس کمثلہ شئ }۔ اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ دو فرقے اس بارے میں گمراہ ہوگئے۔ ایک قدریہ معتزلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر تاویلیں کرتا ہے۔ تاویل سے صفات کی تخفیف وانکار لازم آتا ہے جو انتہائی کفر ہے۔ دوسرا فرقہ مشبہہ مجسمہ ہے وہ اس صفت کو مخلوق کے مشابہ بتاتا ہے یہ بھی پہلے سے کم گمراہ نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات قرآن کریم اور حدیث رسول میں آئی ہیں ان کے لفظی معنی معلوم ہونے کے بعد پھر کیفیت کی کھد بڑنہ کی جائے۔ جب اصل حقیقت کا علم نہیں تو اسے مخلوق کے مشابہ قرار دینا کون سی دانش مندی ہے۔ یہ ازلی صفات کا اقرار ہے اور تاویل کا انکار۔

یعنی قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد نہیں بلکہ اس کے فوائد ہیں۔ یہ مختصر، جامع، تعمیری، اور واقعیت پسندی کے ساتھ اپنے معانی واہداف کو بیان کرتے ہیں۔ مثلاً طہ، الم، عسق وغیرہ۔ انہیں ہم زائد نہیں کہتے مگر اس کے فوائد عرب بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان کے خطباء کے ہاں ان کی زبردست اہمیت ہے۔ ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ میں کچھ لوگ کہا کرتے کہ یہ الفاظ زائد اور بے فائدہ ہیں۔ جس پر انہوں نے فرمایا:

خُذُوْا هٰؤُلَاءِ، وَجَنِّبُوْهُم فِي حَشَا الْحَلْقَةِ۔

انہیں پکڑو اور انہیں ہمارے حلقے سے الگ کرکے اس کے حاشئے میں بٹھادو۔ اس لئے انہیں حشویہ کہا گیا۔

ظاہری معنی ہی مراد ہوگا:

اس کے باطنی معنی لینے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں۔ ایسے دعوے دراصل قرآن کریم کو اپنے من پسند عقائد و نظریات میں ڈھالنے کی دعوت ہے۔ مگر جو معنی ومفہوم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتائے، صحابہ کرام نے جن پر عمل کیا انہیں قابل اعتناء نہ سمجھا جائے یہ کون سی قرآن دانی ہے؟۔

باطنیہ کہا کرتے:

قرآن کے الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا اور اس کے باطن کا مفہوم ہر کوئی نہیں جانتا۔ اسے صرف ہمارے باطنی ائمہ ہی جانتے ہیں۔ باطنی معنی میں اشاری معنی بھی آجاتا ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ اس لفظ کے معنی و مفہوم کا مجھے اشارہ ہوا ہے۔ یہ اشارے اگر اللہ کے رسول کے کہے یا مراد کے مطابق ہوں تو درست ورنہ یہ شیطانی اشارے بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ دونوں انداز فکر رسول اللہ ﷺ سے اور امت کے اجماع سے جان چھڑانے اور اپنی الگ شریعت سازی کے مترادف ہیں۔

عاجز کردینے والا:

اَلْمُعْجِز کا مطلب ہے عاجز کر دینے والا۔ قرآن مجید نے ثابت کر دیا کہ عرب فصحاء ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسان اس جیسی کتاب پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اس میں

غیب کی خبریں اور امم سابقہ کے حالات ہیں۔ زمان و مکان کی مناسبت سے معاشی اور معاشرتی ضرورت کو دیکھ کر اس میں محکم قانون سازی کی گئی ہے۔ عقل انسانی دنگ اور بے بس ہے کہ اس جیسی کوئی چیز مقابلہ کے طور پر لا سکے۔ خود قرآن نے بنی نوع انسان کو متعدد بار یہ چیلنج دیا کہ وہ اس جیسی کوئی چیز لے آئیں۔ باوجود اس بات کے کہ یہ چیلنج ہمتوں کو ابھارنے والا اور مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے والا تھا۔ محرک بھی موجود تھا مگر پھر بھی وہ اس کے مقابلہ سے عاجز رہے۔ مثلا ارشاد باری تعالی ہے:

{قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا} (الاسراء : ۸۸)

کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر اس قرآن کی مانند ایک کتاب لانا چاہیں تو نہ لا سکیں گے۔ خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی چیلنج کو ایک اور جگہ ذرا کمی کر کے ان الفاظ میں دہرایا گیا:

{اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ}

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے رسول نے گھڑا ہے۔ کہہ دیجئے کہ اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلانا چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

جب اس سے بھی عاجز رہے تو ایک آدھ چھوٹی سورت کا کہہ دیا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اگر اس چیز کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اللہ کے سوا اپنے تمام مددگا بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اس چیلنج کا اولین مقصد یہی تھا کہ نبی اُمی جناب محمد بن عبداللہ ﷺ کی رسالت و نبوت ثابت کی جا سکے۔ رسول اکرم ﷺ کا اُمی ہونا آپ ﷺ کے حق میں معجزہ ہے مگر امت کا اُمی ہونا امت کے حق میں معجزہ نہیں۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے آج پندرہ سو سال گزر گئے ہیں یہ بھی اس کا معجزہ ہے جس نے افراد امت کا تعلق نہ صرف اللہ سے جوڑا بلکہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی منسلک کر دیا۔ اس کے علاوہ بے شمار پہلو ایسے ہیں جو معجز ہیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

اَلْمُنَزَّلُ کا مطلب ہے بتدریج نازل کردہ۔ یعنی صرف وہ کلام، قرآن یا کلام اللہ ہے جو آپ ﷺ پر بذریعہ وحی اترا۔ صحف ابراہیم و موسی، تورات، زبور، انجیل وغیرہ کلام الٰہی ہونے کے باوجود قرآن میں شامل نہیں کیونکہ وہ دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ منزّل کہنے سے یہ نکات بھی معلوم ہوئے کہ غیر اللہ یعنی کسی انسان، نبی، فرشتہ کا کلام اس میں شامل نہیں۔ خواہ وہ حدیث قدسی ہی کیوں نہ ہو۔ نیز قرآن مجید عربی میں ہے اور لفظ و معنی دونوں کا نام ہے۔ اس بناء پر احادیث قرآن میں شامل نہیں کیونکہ ان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اگرچہ ان کے مضامین و مطالب اللہ تعالی کی طرف سے بذریعہ وحیِ خفی آپ ﷺ پر نازل ہوئے ہیں۔ اسی طرح تفسیر قرآن بھی اس میں داخل نہیں خواہ وہ عربی میں ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی عربی سے دوسری زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی قرآن نہیں اور نہ یہ ترجمہ قرآن میں شامل ہے۔

بذریعہ جبرائیل:

قرآن مجید، سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے کیونکہ وہی حفظ و یادداشت کا مرکز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

}وَاِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿﴾ نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ ﴿﴾{ (الشعراء : ۱۹۲۔ ۱۹۵)

اور بلاشبہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر اترے ہیں اسے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا ہے تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف، واضح عربی زبان میں ہے۔

اس طرح قرآن کی عظمت، ملائکہ اور اہل ایمان دونوں پر واضح کر دی گئی اور آپ ﷺ کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ شیطانی کلام نہیں بلکہ جبریل امین ہی اسے میرے پاس لائے ہیں جو فرشتوں کے مطاع ہیں۔ باقی قائمۃ الکروبین، اہل المراتب والتمکین جیسے فرشتے یا نون فرشتہ اور قلم فرشتہ سب اختراعات ہیں جو عوام کو قرآنی عقیدہ سے ہٹانے والی باتیں ہیں۔

لسان عربی:

ابن فارس نے لکھا ہے } : خلق الِانسان علمہ البیان { اللہ تعالیٰ نے بیان کو دیگر مخلوقات مثلاً: شمس و قمر، نجوم و شجر کے ذکر سے قبل بیان کی۔ جس کا سکھا دینا بہت بڑی عنایت ربانی ہے دوسرے اس سے محروم ہیں۔ پھر یہ بیان عربی زبان میں ہے کیونکہ دیگر زبانوں میں یہ وسعت نہیں اسی بناء پر عربی زبان کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ باقی وحی کا کسی زبان میں اترنا بڑا مسئلہ نہیں۔ اگر وحی عبرانی یا سریانی زبان میں اتر سکتی ہے تو خالص عربی میں کیوں نہیں؟ لسان عربی سے مراد یہ نہیں کہ قرآن مجید سابقہ الہامی کتب کے مثل ایک کتاب ہے بلکہ بنیادی طور پر دوسری کتب کے مقابلے میں قرآن مجید کو اپنا منفرد مقام حاصل ہے۔

کتابی شکل:

المکتوب کا مطلب ہے لکھا ہوا۔ اور المصاحف جمع ہے مصحف کی، یعنی یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے نیز آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ بھی اسے لکھوا لیتے۔ مگر کتابت سے پہلے بھی یہ قرآن، قرآن کہلاتا تھا ۔ معلوم ہوا کہ قرآن محض زبانی الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ کتابی شکل میں بھی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

}وَالطُّوۡرِ ﴿﴾ وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ﴿﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ﴿﴾{

قسم ہے طور کی ، اور لکھی ہوئی کتاب کی، پھیلے ہوئے صفحات میں۔

اس کی قراءت عبادت ہے:

یعنی اس کتاب کی تلاوت کو عبادت کا درجہ حاصل ہے تاکہ مومن رب کی قربت حاصل کرے۔ اسے اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اس پر نہ ضائع

ہونے والی تجارت کی بشارت دی گئی ہے۔

}اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ{ فاطر :۲۹(

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں رزق دیا اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز ضائع نہیں ہوگی۔

آپ ﷺ نے تلاوت قرآن پر ثواب کی بشارت یوں ارشاد فرمائی:

جو شخص قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت کرے گا۔ اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ اور میم ایک حرف ہے۔

سوال نمبر2۔ علم المباحثہ کو بیان کرتے ہوئے مشرکین کی گمراہیوں کے متعلقات کے بارے میں مختصر مگر جامع انداز میں بحث کیجئے۔

تبلیغِ دین کے لئے رسول اللہ • کے سامنے آنے والی رکاوٹوں میں ایک اہم مسئلہ مشرکین مکہ کی مکاریاں ہیں۔ ۱۷ ربیع الاول کی مناسبت سے معروف محقق رسول جعفریان کی ایک تحقیق کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے جس میں ان مکاریوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

جب رسولِ اکرم • پر اولین آیات کا نزول ہوا اور آپ • نے حضرت علیؑ، بی بی خدیجہ اور زید بن حارثہ کے ساتھ کعبہ کے نزدیک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی تو اسلام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ایک مورخ زہری کہتا ہے: رسولِ خدا خفیہ طور پر لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے جس کے جواب میں بعض نوجوان اور کمزور عوام آپ • کی طرف مائل ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھنے لگی؛ اس دور میں قریش کے سردار حضور • کے ساتھ برا رویہ نہیں رکھتے تھے۔ جب کبھی رسول اللہ ان کے قریب سے گزرتے تو آپ • کی طرف اشارہ کر کے کہا کرتے: "فرزندِ عبد المطلب آسمان کی باتیں کرتا ہے"۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آنحضور • نے ان کے خداوں کی برائی کرنا شروع کر دی اور ان سے کہا کہ ان کے باپ دادا کفر و گمراہی میں تھے اور اب وہ جہنم میں ہیں۔ اس پر وہ غضبناک ہوئے اور آپ • کو اذیتیں دینے لگے۔ پہلے مرحلے میں مشرکوں کی جانب سے برا سلوک نہ کرنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ قریش کو بت پرستی سے کوئی جذباتی لگاو اور لوگوں کے تبدیلی دین سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کے لئے مشکل یہ تھی کہ کوئی ان بتوں اور اس سے زیادہ اہم ان کے آبائ و اجداد کی توہین کرنے لگے۔ چنانچہ وہ بعد میں رسول اللہ کو یہ پیشکش کرتے رہتے تھے کہ آپ • ان کے خداوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تا کہ وہ بھی آپ • کو آپ • کے خدا کے ساتھ چھوڑ دیں۔ بتوں کی تائید نہ کرنے بلکہ بت پرستی کی سختی کے ساتھ مذمت کے حوالے سے جب اللہ کے رسول • کا اصلی پیغام ظاہر ہوا تو رسول • و اصحاب رسول • کے ساتھ مشرکوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ خطے کے مخصوص قبائلی سسٹم کی وجہ سے قریش مجبور تھے کہ وہ ایک خاص حدود کے اندر رہتے ہوئے

آنحضرت • کا مقابلہ کریں۔ وہ لوگ، اولادِ عبد المطلب کی جانب سے نبی اکرم • کی حمایت کی وجہ سے براہِ راست آپ • کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بنا بریں وہ لوگ ایسے وسائل کی فکر میں تھے جن سے استفادہ کرنے میں ان کو مکمل اختیار و آزادی حاصل ہو۔ چنانچہ وہ عام مسلمانوں کو اذیتیں دینے لگے۔ قریش کے اقدامات کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے: تاریخ وار جائزہ یا موضوعی اعتبار سے جائزہ۔ ہم اختصار کے پیشِ نظر موضوعی اعتبار سے جائزہ لیں گے۔

۱۔ صلح:

قریش کے لوگ تجارت پیشہ تھے اور اپنا کام جاری رکھنے کے لئے انہیں امن و امان کی ضرورت تھی، اسی لئے وہ اسلام کے مسئلے کو خاموشی سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ البتہ رسولِ خدا کو ختم کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس طرح خود قریش کے اندر ایک خون آشام اور لامحدود جنگ شروع ہو جاتی۔ بنا بریں ہجرت سے پہلے تک وہ بات چیت کے ذریعے ہی مسئلے کو حل کرنا چاہتے تھے۔

صلح کے لئے انہوں نے رسول اللہ کو مال اور مقام کی پیشکش کی۔ ابنِ اسحق کہتا ہے: آیت " قُلۡ مَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَکُمۡ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ"، مشرکوں کی مالی پیشکش کے انکار کے حوالے سے نازل ہوئی ہے۔ اسی کا کہنا ہے کہ قریش کے سرداروں نے اللہ کے رسول • کے پاس کسی کو بھیج کر مذاکرات کی درخواست بھی کی تھی۔ انہوں نے کہا: تم اپنی قوم پر ایسی چیز لے آئے ہو جو کوئی عرب نہیں لایا ہے۔ تم نے ہمارے اجداد اور ہمارے دین کو برا بھلا کہا، ہمارے خداؤں کو دھتکارا، ہمارے داناؤں کو احمق گردانا، ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اگر تم اپنی ان حرکتوں سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اتنا دیں گے کہ تمہاری دولت سب سے زیادہ ہو جائے گی، اگر عظمت و شرافت کی تلاش میں ہو تو ہم تمہیں اپنی سرداری دیتے ہیں؛ اگر ملک اور بادشاہی کے خواہشمند ہو تو ہم یہ بھی کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر تم پر جن کا غلبہ ہو گیا ہے تو ہم تمہارا علاج کراتے ہیں! اللہ کے رسول • نے جواب میں فرمایا کہ ان میں سے کسی بھی چیز کے لئے انہوں نے نبوت کا دعوی نہیں کیا ہے بلکہ وہ صرف اللہ کے رسول ہیں جو ان کی نصیحت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

آنحضرت • فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ سورج کو ان کے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو ان کے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تو بھی وہ اپنی دعوت کے عمل کو اس کے غلبے تک جاری رکھیں گے۔ مشرکوں کی صلح کا ایک اور مقصد رسولِ خدا کو خاموش کرنا تھا۔ دراصل، جس زمانے میں اللہ کے رسول • نے اعلانیہ دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا اور باضابطہ طور پر مشرکوں کے عقائد کی مذمت نہیں کی تھی، مشرکوں نے انہیں آزاد چھوڑا ہوا تھا۔ ٹکراو اس وقت ہوا جب آنحضرت • نے اپنی دعوت توحید کا علی الاعلان آغاز کیا اور بت پرستی کو غلط قرار دیا۔

مشرکین چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہ کے کام کو محدود کر دیں اور وہ ان کے خداوں سے کوئی مطلب نہ رکھیں۔ سیرت النبی کے لکھنے والوں اور قرآن کی تفسیر کرنے والوں کے بقول، سورہ کافرون قریش کے بعض سرداروں جیسے حارث بن قیس سہمی، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ اور امیۃ ابن خلف کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! ایک سال تم ہمارے خداوں کی پرستش کرو ہم بھی ایک سال تمہارے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس طرح ہم میں سے جو بھی حق پر ہوگا، دوسرا اس کی پیروی کر کے حق سے کچھ استفادہ کرلے گا۔ رسول اللہ • نے خدا کے ساتھ شرک کرنے سے پرہیز کیا اور ان کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ مشرکین اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ رسول اللہ صرف بتوں کو ہاتھ سے مس کرلیں اور جواب میں وہ ان کے خدا کی تائید کر دیں گے۔ اس موقع پر سورہ کافرون نازل ہوئی اور توحید اور شرک کے راستوں کو یکسر جدا کر دیا۔ ابنِ عباس کہتے ہیں: جس زمانے میں حضرت ابوطالبؑ زندگی کے آخری لمحات سے نزدیک ہونے لگے، تو قریش ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا ہو رہا ہے، اسے اپنے پاس بلائیں، اور کچھ ایسا کر دیں کہ وہ ہمیں ہمارے دین کے ساتھ چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے دین کے ساتھ؛ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ کو بلایا اور مشرکوں کی باتیں گوش گذار کر دیں۔ آنحضرت • نے فرمایا: اگر میری صرف ایک بات مان لیں تو عربوں پر حکومت حاصل کرلیں گے اور عجم ان کے دین کو قبول کرلیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہم دس باتیں ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ کے رسول • نے لاالہ الا اللہ کہنے اور بت پرستی کو ترک کرنے کی دعوت دی۔ رسولِ خدا کو صلح پر مجبور کرنے کے لئے مشرکوں کے اقدامات بہت وسیع تھے اور انہیں امید تھی کہ اپنی پیشکشوں کے ذریعے سے وہ آپ • کی سرعت کو کم کر دیں گے۔ انہوں نے آنحضور • کو فریب دینے کی بھی کوشش کی۔ امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی بعض آیات سورہ کافرون کی طرح کفار کی پیشکشوں کے حوالے سے نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے: ''اور نزدیک تھا کہ یہ لوگ آپ کو ہماری وحی سے ہٹا کر دوسری باتوں کے افترا پر آمادہ کر دیں اور اس طرح یہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہماری توفیق خاص نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ (بشری طور پر) کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ضرور ہو جاتے۔ اور پھر ہم زندگانی دنیا اور موت دونوں مرحلوں پر دہرا مزہ چکھاتے اور آپ ہمارے خلاف کوئی مددگار اور کمک کرنے والا بھی نہ پاتے۔'' طبرسی نے اس آیت کے لئے پانچ شانِ نزول نقل کی ہیں۔ اور یہ تمام کسی نہ کسی طور پر عبادتی صلح پر مشرکوں کے اصرار کی خبر دیتی ہیں۔ قرآن میں متعدد آیات ایسی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ مشرکین بہت زیادہ اصرار کیا کرتے تھے کہ رسولِ خدا اپنی جانب سے آیت گھڑ کر خدا کی طرف جھوٹی نسبت دے دیں۔ ان تمام آیات میں تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول • کو نازل شدہ آیات میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالی نے اپنے رسول • سے کہا کہ مشرکوں کی کسی خواہش پر کان نہ دھریں: ''پھر ہم نے آپ کو اپنے حکم کے واضح راستے پر لگا دیا۔ لہذا آپ اسی کا اتباع کریں اور خبردار جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔'' اور ایک بار پھر فرمایا: ''فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ، لہذا تم جھٹلانے والوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ

اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم لچک دکھاؤ تاکہ وہ بھی لچک دکھائیں۔ اور کسی ذلیل، زیادہ قسم کھانے والے کی اطاعت نہ کرو۔"

یہ آخری آیات خصوصی طور پر تصریح کر رہی ہیں کہ قریش اپنے اور رسول اللہ کے درمیان کشیدگی کو کم کرنا چاہتے تھے اور دوسرے مقام پر فرمایا: "فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ 3/4، وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ، لہذا آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح استقامت سے کام لیں اور وہ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ خدا کی جانب رُخ کر لیا ہے۔ اور کوئی کسی طرح کی زیادتی نہ کرے کہ خدا سب کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمہیں چھولے گی اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست نہ ہوگا اور تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔" نیز فرمایا: "فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ، پس اسی طرح سے پکارو اور جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح سے استقامت سے کام لو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔" اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ "فَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا، مشرکوں سے مناسب طریقے سے دوری اختیار کرو۔" یہ حکم دعوت کے ابتدائی دور کا ہے اور شاید اس لئے ہے کہ توحید اور شرک کا راستہ مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا ہو جائے۔ مشرکین یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی توحید اور ان کے شرک کے درمیان فرق اتنا نہ بڑھ جائے کہ مکہ کی سوسائٹی میں دراڑیں پڑ جائیں؛

۲۔ نفسیاتی مقابلہ:

رسولِ اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچانے لئے مشرکین آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا اصل مقصد آنحضور ﷺ کی شخصیت کو توڑنا، انہیں گوشہ نشینی پر مجبور کرنا نیز عوام الناس کے سامنے آپ ﷺ کو ذلیل و رسوا کرنا تھا تاکہ نہ آپ ﷺ معاشرے میں ابھر سکیں اور نہ عوام الناس آپ ﷺ کی جانب توجہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ جو کہ صاحبِ عزت اور سچے انسان تھے، پر اس سلوک کا ذہنی اثر کم نہیں ہو سکتا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے صداقت و نجابت کی بنیاد پر اس تمسخر آمیز رویہ کا مقابلہ کیا۔ ابن سعد، ابن اسحق اور بلاذری نے تمسخر کرنے والوں کے ناموں کی فہرست بھی بیان کی ہے۔

ابن سعد نے جو دسیوں نام ذکر کئے ہیں ان میں سے صرف دو افراد بعد میں ایمان لائے جبکہ دوسرے لوگ یا تو جنگوں کے دوران مارے گئے یا فتح مکہ سے پہلے مر گئے۔ سیرت نویسوں نے اسے مذاق اڑانے والوں کے لئے حق میں رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا اثر قرار دیا ہے۔ ان میں سے اہم ترین افراد، ابو جہل، ابو لہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ،

عاص بن وائل، عُقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان ہیں۔ ابولہب (عبد العزیٰ بن عبد المطلب) جو کہ رسول اللہ کے دو مخالف ہاشمیوں میں سے ایک تھا، اس نے بعثت کے پورے دور میں فروغِ اسلام میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔

بلاذری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ • کے ساتھ ابولہب کے تعلقات بعثت سے قبل بھی کشیدہ تھے کیونکہ جب ایک مرتبہ ابولہب اور ابوطالبؑ کے درمیان لڑائی ہوئی اور ابولہب ابوطالبؑ کے سینے پر سوار ہو گیا تو رسولِ خدا نے اسے ایک طرف گرا دیا اور پھر جناب ابوطالبؑ اس پر سوار ہو گئے تھے۔ اپنی مخالفت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابولہب کہتا تھا: اے عبد المطلب کے فرزندو! یہ (اسلام) ایک بری چیز ہے، اس سے پہلے کہ دوسرے اس کا راستہ روکیں تم خود اس کو روک دو؛ کیونکہ اگر تم مسلمان ہو گئے تو دوسرے عربوں کے درمیان ذلیل ہو جاوگے اور تم نے اس کا دفاع کیا تو تم مارے جاوگے۔ اسی روایت میں ہے کہ وہ اس بات سے خوفزدہ تھا کہ بنی عبد المطلب تمام قریش اور عربوں کے مقابل نہ آجائیں۔

بہر صورت اعلانیہ دعوت کے آغاز کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے پوری طاقت کے ساتھ رسولِ خدا • کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا یہاں تک کہ دشمنوں کی ریل پیل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صرف اس کا اور اس کی بیوی ہی کا ذکر کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول • لوگوں کو توحید کی دعوت دیا کرتے تھے تو وہ ان کے پیچھے چلتا رہتا، ان کو پتھر مارتا اور لوگوں سے کہتا: اس کی بات نہ مانو، وہ صابئ ہو گیا ہے، وہ جھوٹا ہے! کہا گیا ہے کہ خدا نے ابولہب کی بیوی کو سورہ تبّت میں اس لئے حمالۃ الحطب کہا ہے کہ وہ رسول اللہ • کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ ام جمیل نے جب سنا کہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں تو اس نے رسول اللہ کی ہجو میں یہ شعر کہے:

مُذَمَّماً عَصَیْنَا وَ اَمرَہ اَبَیْنَا وَ دِیْنَہ قَلَیْنَا

مذمت شدہ انسان نے ہماری نافرمانی کی اور ہم نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اس کے دین نے ہم کو غضبناک کر دیا ہے"۔

ممکن ہے کہ مذمم کا لفظ مشرکوں نے لفظ محمّد کے مقابلے میں جعل کیا ہو۔ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب رسول اللہ کا ایک اور رشتہ دار تھا جس نے زبردست دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اشعار کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر اس نے اظہارِ اسلام کر دیا تھا۔ امیہ بن خلف بھی تمسخر کرنے والوں میں شامل تھا۔ کہتے ہیں کہ سورہ ہمزہ اسی کے بارے میں نازل ہوا۔

عقبہ بن ابی معیط اور اُبَیّ بن خلف آپس میں گہرے دوست تھے؛ جب اُبَیّ نے سنا کہ عقبہ رسول اللہ کے پاس بیٹھا ہوا ہے تو وہ سخت برآشفتہ ہوا اور بولا: میں تم سے صرف اس صورت میں بات کروں گا جب تم رسول کے آنے پر ان کے چہرے پر آبِ دہان ڈالو گے۔ اور اس نے ایسا کر دیا! اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: "جس دن ظالم اپنے

ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش میں نے وہی راستہ اختیار کیا ہوتا جو رسول نے اختیار کیا تھا۔ اے کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا‘‘۔

جب ایک موقع پر ابوجہل نے اپنے ایک قرض خواہ کا قرض ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام لیا تو اس نے فریادِ استغاثہ بلند کر دی۔ مشرکوں نے اس کا مذاق اڑایا اور اسے مسجد کے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک شخص سے رجوع کرنے کو کہا جو رسول اللہ • کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ رسول اللہ اٹھے اور ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ اس شخص کا حق اسے دیدے۔ ابوجہل نے بے ساختہ آپ • کی بات پر عمل کر دیا۔

تمسخر کا یہ سلسلہ اتنا وسیع تھا کہ اللہ تعالی نے آپ • سے فرمایا: ’’اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ۔‘‘ یعنی استہزا کرنے والوں کے مقابلے میں ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔ دوسری آیات میں بھی اللہ تعالی نے مشرکوں کے تمسخر کی وجہ سے اپنے رسول کو تسلی دی ہے: ’’آپ سے پہلے جو دوسرے رسول تھے ان کا بھی (یہ کافر) مذاق اڑاتے تھے‘‘۔ یہ عبارت تین بار دہرائی گئی ہے اور اس میں رسول اللہ • کو تسلی دینے کے علاوہ تمسخر کرنے والوں کے لئے ایک دھمکی بھی ہے کیونکہ آگے ارشاد ہوتا ہے: ’’لیکن جس عذاب کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہو کر رہا‘‘۔

آپ • کو کذاب، ساحر اور سب سے بدتر مجنون کی نسبت دی جاتی تھی۔ مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ آیات قرآنی کی سنجیدگی اور تقدس کا خاتمہ کر دیں اور اللہ کے رسول • کو ایک جن زدہ اور جھوٹا شخص قرار دیدیں۔

اللہ تعالی نے یہاں پر بھی اپنے رسول • کو مطمئن کرنے کے لئے گذشتہ امتوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کیا: ’’اسی طرح، گذشتہ امتوں پر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر انہوں نے کہا: یہ جادوگر یا دیوانہ ہے۔

سوال نمبر3۔ متقدمین اور متاخرین علماء کے نزدیک نسخ کے مفہوم کو بیان کیجئے اور امام ابن العربی مالکی اور شاولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک ناسخ و منسوخ آیات کی فہرست تیار کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عالم انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرما کر انسانیت کو ہدایت اور صراط مستقیم کا راستہ دکھا کر اپنی حجت تمام کر لی ہے۔ قرآن مجید ایک واضح کتاب اور دلیل قاطع ہے جو انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔ جس کے ذریعے انسان حق اور باطل، صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، شرک اور توحید میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بار نازل نہیں فرمایا بلکہ تدریجاً آہستہ آہستہ تئیس سال کی مدت میں قرآن کا نزول مکمل ہوا۔ جس میں تیرہ سال مکی دور کے اور دس سال مدنی دور کے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقُرۡءَانٗا فَرَقۡنَٰهُ لِتَقۡرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكۡثٖ وَنَزَّلۡنَٰهُ تَنزِيلٗا) ا(

ترجمہ: اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تدریجاً اتارا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا اور تدریجاً نازل کرنے کا سبب بھی واضح الفاظ میں بیان کر دیا کہ آپ اس قرآن کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ جو بات ٹھہر ٹھہر کر اور وقفے وقفے سے پڑھی جاتی ہے وہ دلنشین ہو جاتی ہے اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

لوگوں نے بہت ساری آیات کو منسوخ قرار دیا ہے جب کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے "الفوز الکبیر" میں صرف پانچ آیات کا نسخ تسلیم کیا ہے۔ قرآن مجید جس زبان اور جس خطے میں نازل ہوا اس خطے کی زبان اور انہیں لوگوں کے اسلوب میں نازل ہوا۔ اس لیے عرب کے کسی شخص نے قرآن کے اسلوب پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ قرآن مجید جس طرح ایک فصیح اللسان شاعر کو سمجھ میں آیا تھا اسی طرح ایک عام، ان پڑھ شخص کو بھی سمجھ میں آیا۔ امین احمد اسلوب قرآن کے متعلق لکھتے ہیں "قرآن مجید عرب کی زبان میں اور انہی کے اسلوب میں نازل ہوا، قرآن کے تمام الفاظ عربی ہیں سوا چند الفاظ کے جو دوسری زبانوں سے لیے گئے ہیں لیکن ان الفاظ پر عربیت کا اثر غالب آگیا۔ قرآن کا اسلوب عرب کا اسلوب ہے اس میں حقیقت، مجاز اور کنایۃ عرب کلام کے مطابق ہے کیونکہ قرآن کے پہلے مخاطب عرب ہی تھے تو اس لیے ان کو اس زبان میں مخاطب کیا گیا جو وہ سمجھتے تھے"(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (۳)

ترجمہ: اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے لیے پیغام اچھی طرح واضح کر سکے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ انہی میں سے ہیں اور انہی کی زبان میں ان سے بات کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب بھی اسی قوم کی زبان میں نازل کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود قرآن کو تمام صحابہ برابر سمجھنے سے قاصر تھے۔ جس طرح عربی میں لکھی ہوئی کتاب کو تمام اہل زبان نہیں سمجھ سکتے اسی طرح انگریزی اور اردو زبان میں لکھی ہوئی کتاب کو اہل زبان مکمل نہیں سمجھ سکتے کیونکہ عقل، فہم و فراست میں طبقات اور درجات ہوتے ہیں اسی طرح ہر شخص اپنی مادری زبان کا احاطہ نہیں کر سکتا عربی زبان کا معاملہ بھی ٹھیک اسی طرح کا ہے، یہاں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کرنا موزوں ہوگا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ان رجلا سَأل عمر بن الخطاب عن قوله تعالىٰ: وَفَٰكِهَةً وَأَبًّا۔

یعنی ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سورۃ عبس کی آیت وَفَٰكِهَةً وَأَبًّا، میں أَبًّا لفظ کے معنی دریافت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ہمیں تکلفات میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے(۴) یہ تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی فہم و فراست اور دینی علم کی گہرائی کو ہم جانتے ہیں۔ ان کے ساتھ عام صحابہ کا بھی یہی حال

ہو گا ۔

قرآن کی نزول کے اعتبار سے تقسیم:

نزول قرآن کے اعتبار سے قرآن مجید کے دو حصے ہیں۔

۱) (قرآن مجید کا وہ حصہ جو بغیر کسی سوال یا حادثہ کے نازل ہوا ایسی آیات اکثر و بیشتر مندرجہ ذیل مضامین سے تعلق رکھتی ہیں۔

- وہ آیات جن میں انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔
- زمانہ ماضی کے واقعات ۔
- وہ آیات جن میں مستقبل میں پیش آنے والے غیبی واقعات کا ذکر ہے۔
- قیامت کے متعلق آیات
- عذاب اور ثواب کے متعلق آیات وغیرہ ۔

قرآن کے اس حصے کا نزول بغیر کسی سوال یا سبب کے ہوا ہے۔ قرآن میں ایسی آیات اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں، ان کے نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ مخلوق خدا کو سیدھی راہ دکھائی جائے ۔ یہ آیات سیاق و سباق کے ساتھ مربوط و متصل ہیں مگر کسی سوال کے جواب میں نازل نہیں ہوئی اور ان میں کسی چیز کا حکم بھی مذکور نہیں ہے ۔

۲) (قرآن مجید کا وہ حصہ جس کے نزول کا سبب سوال یا کوئی حادثہ ہے یعنی سوال کے جواب میں آیات نازل ہوئیں یا کسی حادثہ کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔

قرآن مجید کی تفسیر سبب نزول کی معرفت کے بغیر مناسب نہیں ہو سکتی کیونکہ جس دور میں اور جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا ان حالات کو جاننا بے حد ضروری ہے کہ یہ آیت کسی حادثہ یا کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے ۔

امام ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ سبب نزول کے متعلق لکھتے ہیں کہ : آیت کا تفسیر اور اس کے غرض و غایت کا علم اس کے سبب نزول کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے سبب نزول میں کوئی بات کرنا جائز نہیں سوائے صحیح روایت کے جنہوں نے قرآن کے نزول کا زمانہ پایا(۵)۔

سبب نزول آیت کے مقصد اور تفسیر میں مددگار ثابت ہوتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و معرفۃ سبب النزول یعین علی فھم الآیۃ، فان العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب۔(٦) یعنی سبب نزول کی پہچان کسی آیت کے فہم و ادراک میں مدد دیتی ہے اس لیے کہ سبب کے علم سے مسبب کا معلوم ہونا ایک فطری بات ہے ۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرتے ہیں کہ سبب نزول کا علم قرآن کے معانی اور فہم کا قوی ذریعہ ہے (۷) ان حوالوں کے سبب نزول کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو گی۔

اسباب نزول سے نا آشنا ہونے کا نتیجہ:

اسباب نزول کا علم آیت کے مقصد کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو تا ہے اور اسباب نزول کی لا علمی غلطی اور خطا کا سبب بنتا ہے، شیخ احمد امین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خلافت کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامۃ بن مظعون کو بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا، حضرت جارود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آکر شکایت کی کہ قدامۃ بن مظعون شراب پی کر مدہوش ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جارود سے کہا تمہاری اس بات کی کون گواہی دیگا؟ جارود نے کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میری بات کی گواہی دیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامۃ بن مظعون سے کہا تم پر شراب نوشی کی حد جاری کرونگا۔ اس پر قدامۃ نے کہا اگر ایسا ہے جیسے آپ کہتے ہیں تو آپ مجھ پر حد جاری نہیں کر سکتے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامۃ سے پوچھا وہ کیسے؟ قدامۃ نے کہا اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

لَيۡ‍سَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلص‍ٰ‍لِحَ‍ٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓاْ إِذَا مَا ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلص‍ٰ‍لِحَ‍ٰتِ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ ثُمَّ ٱتَّقَواْ وَّأَح‍سَنُواْۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡ‍مُح‍سِنِينَ۔ (المائدہ ۹۳)

یعنی ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا پی چکے ہیں جب وہ ڈر جائیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لے آئیں پھر وہ تقویٰ اختیار کریں اور نیکی کا کام کریں۔

اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے قدامۃ نے کہا میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کر کے اچھے کام کیے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر، احد، خندق اور دوسرے معرکوں میں شریک رہا ہوں۔ قدامۃ کی یہ دلیل سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو کوئی جواب نہیں دیتا؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کے لیے عذر ہے اور باقی لوگوں پر حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

يَ‍ٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡ‍خَم‍رُ وَٱلۡ‍مَي‍سِرُ وَٱلۡ‍أَنصَابُ وَٱلۡ‍أَزۡ‍لَ‍ٰمُ رِج‍سٌ مِّنۡ‍ عَمَلِ ٱلشَّي‍طَ‍ٰنِ فَٱج‍تَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ‍ تُف‍لِحُونَ۔ سورۃ المائدہ ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والوں بیشک اور جوا اور نصب کیے گئے بُت اور فال نکالنے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں سو تم ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ دلیل سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے سچ کہا ۔(۸)

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسباب نزول کا علم انسان کو غلطی سے بچاتا ہے۔ اگر اس آیت کے سبب نزول کا علم کسی کو نہ ہو تو ہر شخص اس آیت کو اپنے لیے دلیل بناتا اور کہتا کہ:

لَيۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٞ فِيمَا طَعِمُوٓاْ

کوئی گناہ نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لے اور اور نیک عمل کرتے رہے جو کچھ کھاتے، پیتے رہے۔ یہ سبب نزول کا علم ہی ہے جو ہمیں اس طرح کی غلطیوں سے بچاتا ہے۔(۸)

اسی طرح مروان بن حکم کو اس آیت کے سمجھنے میں ابہام اور اشکال پیدا ہوا:

لَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ يَفۡرَحُونَ بِمَآ أَتَواْ وَّيُحِبُّونَ أَن يُحۡمَدُواْ بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُواْ فَلَا تَحۡسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٖ مِّنَ ٱلۡعَذَابِۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٞ ۔آلعمران ۱۸۸/۳

یعنی آپ ایسے لوگوں کو ہرگز خیال نہ کریں جو اپنی کارستانیوں پر خوش ہو رہے ہیں اور نہ کردہ اعمال پر بھی اپنی تعریف کے خواہشمند ہیں آپ انہیں ہرگز عذاب سے نجات پانے والا نہ سمجھیں اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔

اس پر مروان بن حکم نے کہا یہ آیت مسلمانوں کے لیے وعید ہے، جو شخص اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جو عمل اس نے نہیں کیا اس پر اس کی تعریف کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے کسی چیز کے متعلق پوچھا تھا تو انہوں نے صحیح بات چھپا کر کچھ اور بتایا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا اسی کے بارے میں ہی انہوں نے بتایا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ اس پر ان کی تعریف کی جائے(۹)۔

جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے یا قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے تو اس شخص کے لیے لازمی ہے کہ وہ اسباب نزول کا بھی علم حاصل کرے، اس سے وہ خود کو شبہات سے محفوظ کر لے گا، اور قرآن کا صحیح فہم و ادراک حاصل کر پائے گا ۔ ورنہ وہ قرآن سے ہدایت پانے کے بجائے گمراہی کی طرف چلا جائے گا ۔

ابو عبید ابراہیم التیمی کا قول ذکر کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسرت کے انداز میں یہ کہہ رہے تھے کہ یہ امت آپس میں کیسے اختلاف کر سکتی ہے، جب کہ اس امت کا رسول بھی ایک ہے اور قبلہ بھی ایک، اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین بیشک ہماری موجودگی میں قرآن مجید نازل ہوا ہم نے اس قرآن کو پڑھا، اور یہ بھی جانا کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور عنقریب ہمارے بعد ایسے لوگ آئینگے جو قرآن کی تلاوت تو کر رہے ہونگے مگر ان کو یہ معلوم نہیں ہوگا

یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر وہ لوگ اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کرینگے۔ جس سے ان کا آپس میں اختلاف ہو جائے گا جب ان میں اختلاف ہو گا تو آپس میں لڑ پڑینگے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور ابن عباس وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس کی بات پر غور فکر کیا تو حقیقت جان گئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف بلاوا بھیجا اور ان سے کہا کہ جو بات آپ نے کی وہ دہرائیں تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ بات دہرائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تعجب ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تجربے سے صحیح ثابت ہوا۔

ابن وھب سے روایت ہے کہ بکیر نے نافع سے پوچھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرقۃ حروریۃ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ نافع نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حروریۃ والوں کو بدترین مخلوق سمجھتے تھے، جو آیات کفار کے لیے نازل ہوئیں تھیں۔ ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے خبردار کیا تھا۔)۱۰(

الفاظ کا اعتبار عام ہو گا اور سبب خاص:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ! اگرچہ لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ جو عام الفاظ کسی خاص سبب کی بنا پر وارد ہوئے ہوں آیا اپنے سبب کے ساتھ مختص ہوں گے ؟ کسی شخص نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ کتاب وسنت کے عموم کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ الفاظ اس شخص کی نوع کے ساتھ مختص ہوں گے اور اس کے ساتھ ملتے جلتے اشخاص بھی شامل ہونگے۔ ان میں جو عموم ہو گا وہ الفاظ اس شخص کی نوع کے ساتھ مختص ہو گا۔ جس آیت کا کوئی خاص سبب ہو اگر وہ امر یا نہیں ہو تو وہ اس شخص کو بھی شامل ہوگی جس کے حق میں اتری اور دوسروں کو بھی جو اس جیسے ہوں گے۔)۱۱(

اس کی مثال یہ ہے کہ سورۃ اللیل میں۔ فَاَمّا من اعطٰی واتقیٰ(۵)وصدق بالحسنیٰ(۶) فسنیسرہ للیسریٰ(۷)یعنی پس جس نے اپنا مال اللہ کی راہ میں دیا اور پرہیز گاری اختیار کی اور اس نے اچھائی کی تصدیق کی، تو عنقریب اس کی آسانی کے لیے سہولت فراہم کردیں گے۔) ۱۲(

یہ آیات سبب نزول کے اعتبار سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے نازل ہوئی ہیں مگر ان آیات کا اعتبار عام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے اندر یہ مذکورہ صفات پائی جائیں گی، اور اسی طرح وہ آیات جو کسی منافق کے لیے نازل ہوئی ہیں ان کا سبب تو خاص ہے مگر کسی شخص میں وہی صفات ہیں تو وہ شخص بھی ان آیات کے حکم میں شامل ہو گا۔

امام زرکشی کی سبب نزول کے متعلق رائے:

قال الزرکشی فی البرھان: قد عرف من عادة الصحابة والتابعین ان احد ھم اذا قال: نزلت ھذہ الایة فی کذا فانہ یرید بذالک انھا تتضمن ھذا الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس الاستدلال علی الحکم بالا یة لا من جنس النقل لما وقع۔

"زرکشی نے برہان میں لکھا کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی یہ عام عادت تھی کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہ وہ بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔ یہ گویا اس حکم پر اس آیت سے ایک قسم کا استدلال ہوتا ہے۔ اس سے مقصود نقل واقعہ نہیں ہوتا۔ (۱۳)"۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

شان نزول کا مطلب، جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سر موقع حاوی ہوتا ہے۔ کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو، اور وہ امر یا امور جن کو کسی سورہ میں مد نظر رکھا جاتا ہے، اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم کو شان نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورۃ سے معلوم کرو کیونکہ کلام کا اپنے موقع و محل کے مناسب ہونا ضروری ہے۔ جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورہ سے اس سورہ کے شان نزول معلوم کر سکتے ہو۔ اگر کلام میں کوئی خاص موضوع پیش نظر ہے تو اس کلام اور اس موضوع میں وہی مناسبت ہو گی جو مناسبت لباس اور جسم میں بلکہ جلد اور بدن میں ہوتی ہے۔ اور یہ قطعی ہے کہ کلام کے تمام اجزاء باہم دگر مربوط و متصل ہوں گے۔ اور یہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ احوال و مسائل در پیش تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ سورہ کے نزول کے لیے کیا محرکات اور اسباب موجود تھے۔ (۱۴)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

حضرات صحابہ و تابعین کے کلام پر غور و فکر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ فرمانا کہ یہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی کسی ایسے واقعہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہوتا جو عہد نبوی میں واقع ہو کر نزول وحی کا سبب بنا بلکہ ان کا معمول یہ ہے کہ وہ ایسے واقعات کا جو آیت کے مطالب سے مطابقت رکھتے ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ عہد نبوی میں وقوع پذیر ہوئی ہوں یا اس کے بعد، ذکر کر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں بارے میں نازل ہوئی، ایسی شکلوں میں اس آیت کا بعینہ منطبق ہونا چنداں ضروری نہیں ہے، صرف اصل حکم میں انطباق کافی ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کوئی سوال پیش کیا، یا آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں کوئی واقعہ رونما ہوا

اور آپ نے اس کا حکم کسی آیت سے مستنبط فرمایا اور اس کو اس موقع پر تلاوت فرمایا تو ایسی صورتوں میں وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں اتری۔ ایسی ہی شکلوں میں کبھی وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا یا یہ وحی اتری۔ اس سے ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اس آیت سے استنباط فرمایا اور اس وقت چونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اس آیت کا القاء بھی وحی اور الہام خداوندی کی نوعیت کا ہوتا ہے اس لیے ایسے مواقع پر فانزلت، کا استعمال درست ہے اور اگر کوئی شخص اس کو تکرار نزول سے تعبیر کرنا چاہے تو بھی ٹھیک ہے۔ محدثین حضرات قرآن کی آیات کے تحت بہت سی باتیں بیان کر جاتے ہیں جو اصلا اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں۔ اس کی مثالیں ہیں: صحابہ کرام کا اپنے باہمی مذاکروں میں کسی آیت سے استنباط و استدلال نبی ﷺ کا کسی آیت کو اپنے استنباط کے لیے تلاوت فرمانا، کسی ایسی حدیث کا بیان جس کو آیت کے ساتھ اس کے مقصود یا موقع نزول یا بعض اسماء کے ابہام کی توضیح یا کسی قرآنی کلمہ کے صحیح تلفظ کی ادائگی کے لیے مفید خیال کیا گیا ہو، سورتوں اور آیات کے فضائل کا بیان اور قرآن کے احکام کی بجا آوری میں پیغمبر ﷺ کے عمل کی صحیح تصویر حقیقت میں یہ سب چیزیں اسباب نزول میں شامل نہیں ہیں اور ایک مفسر کے لیے ان کا احاطہ ضروری نہیں ہے۔)۱۵(

مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے:

نزلت فی کذا اور فانزل اللہ تعالیٰ قولہ یا فنزلت و انزلت، وغیرہ کی اصطلاحات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک کیا مفہوم رکھتی تھیں اور شان نزول سے متعلق جو روایات تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کی نوعیت کیا ہے۔ ان کی حیثیت استنباط و استدلال اور تطبیق کی ہے یا نقص و بیان کی؟ سارا اشکال یہیں سے پیدا ہوا تھا کہ لوگوں نے سمجھا کہ سلف جس آیت کی نسبت کہتے ہیں کہ "نزلت فی کذا" تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ بعینہ وہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے، لیکن اوپر علامہ زرکشیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے جو اقوال نقل ہوئے ہیں ان سے صاف ہو گیا کہ "نزلت فی کذا یا فانزل اللہ تعالیٰ قولہ" وغیرہ اصطلاحات کا وہ منشا نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ استنباط و استدلال کے قسم کی ایک چیز ہے۔ یعنی اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے فلاں بات نکلتی ہے۔)۱۶(

سبب نزول کے متعلق امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ایک ہی نظر آتی ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے، وہ فرق یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سبب نزول یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا حکم ہے اور وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سر موقع حاوی ہوتا ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ یا سوال اس آیت کے نزول کا سبب بنا ان دونوں رائے میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے صرف الفاظ کے استعمال کا فرق ہے۔ میں اس رائے کا قائل ہوں کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے یا یہ حادثہ اور سوال اس آیت کے نزول کا سبب بنا یعنی واقعہ اور سوال وقوع پذیر ہونے کے بعد آیت نازل ہوتی ہے۔

سبب نزول میں صحابی کے قول کی اہمیت:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: علماء محدثین کا اختلاف ہے کہ جب صحابی کہے کہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا یہ قول حدیث مسند قرار دیا جائے یا محض صحابی کی تفسیر جو حدیث مسند نہیں سمجھی جاتی؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے قول کو حدیث مسند مانا ہے مگر دوسرے محدثین ایسا نہیں کرتے اکثر کتب مسانید مثلاً مسند احمد وغیرہ اسی اصطلاح کے مطابق ہیں، لیکن جب صحابی سبب بیان کر کے کہتا ہے کہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے تو ایسے قول کو تمام محدث حدیث مسند ہی مانتے ہیں۔) ۱۷(

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کرتے ہیں: إذا أخبر الصحابي الذی شھد الوحی والتنزیل عن آیۃ من القرآن، أنھا نزلت في کذا فانہ حدیث مسند۔ یعنی جس صحابی نے نزول قرآن کا زمانہ پایا اور کسی آیت کے متعلق کہا کہ یہ آیت فلاں کے لیے نازل ہوئی ہے تو صحابی کے اس قول کو حدیث مسند مانا جائے گا۔) ۱۸(

سلف صالحین صحیح روایت اور بغیر علم کے قرآن کی تفسیر اور سبب نزول کے متعلق کچھ کہنے سے ڈرتے اور بچتے تھے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا یہ فرمان ہر وقت ذہن نشین رہتا تھا کہ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (۱۹) یعنی جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جھنم میں بنالے۔

سوال نمبر 4۔ قرآن مجید کے بدیع اسلوب کے متعلقات کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

قرآن کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے۔ اِس میں نثر کی سادگی اور ربط و تسلسل ہے، لیکن اِسے نثر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ نظم کا غنا، موسیقی اور حسن تناسب اپنے اندر لیے ہوئے ہے، لیکن اِسے نظم بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ اِس طرح کی کوئی کتاب بھی نہیں ہے، جس طرح کی کتابوں سے ہم واقف ہیں اور جن میں ابواب و فصول قائم کر کے کسی ایک موضوع یا موضوعات پر بحث کی جاتی ہے۔ اہل عرب اِسے کبھی شاعری کہتے اور کبھی کاہنوں کے سجع سے مشابہ ٹھیراتے تھے، لیکن اُن کا یہ تردد ہی واضح کر دیتا ہے کہ وہ خود بھی اپنی اِس بات سے مطمئن نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے قرآن ایک بالکل ہی منفرد کتاب ہے۔ اِس میں دریاؤں کی روانی ہے، سمندروں کا زور ہے، حسن استدلال کی ندرتیں ہیں، ربط معنی کی ادائیں ہیں، مثالیں ہیں، قصے ہیں، کلام میں اپنے مرکز کی طرف بار بار کا رجوع ہے، تہدید و زجر اور عتاب کے گوناگوں اسالیب ہیں، افسوس ہے، حسرت ہے، شدت یقین ہے، گریز کی مختلف صورتیں اور اعراض کے مختلف انداز ہیں۔ اِس میں محبت و التفات کے موقعوں پر، ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینۂ من ریزی ــــ کی کیفیت ہے اور غضب کے موقعوں پر، دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان کا سماں ہے۔ خطاب کے وہ عجائب تصرفات ہیں کہ آدمی اُن میں بالکل کھو کر رہ جاتا ہے

۔

قرآن کے بلند پایہ اور اعلیٰ مقام کو سمجھنے کے لیے اس کے اسالیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس مضمون میں قرآن کے چند اسالیب سے مختصر بحث کی گئی ہے۔

1- عَود علیٰ البدء

یہ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب ہے۔ یعنی کلام کا آغاز جس چیز سے ہوا ہو اسی پر کلام کا خاتمہ بھی کرنا، تاکہ اس مضمون کی افادیت و اہمیت دلوں پر نقش ہو جائے اور سامع اسے

فراموش نہ کر سکے۔ بیچ میں کسی خاص مناسبت اور تقریب سے کچھ مزید چیزیں اور بحثیں بھی آجاتی ہیں جن پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جاتی ہے پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے گفتگو پوری سمیٹ دی جاتی ہے۔

سورۃ مومنون کی ابتدائی آیات میں مومنین کی صفات گنائی گئی ہیں اور اس کی ابتداء نماز سے کی گئی ہے۔ فرمایا گیا: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خَاشِعُوۡنَ (مومنون 1، 2) یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ درمیان میں مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا: "اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔" مقصد نماز کو نیکیوں کا منبع اور ان کا محافظ ثابت کرنا ہے۔ اس امر پر زور دینا ہے کہ نماز ہی سے نیکی کی شروعات ہوتی ہے اور نماز ہی سے ان کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو حضور سرور عالم ﷺ نے اپنی احادیث میں اس طرح زور دے کر فرمایا ہے:

لَا خَیرَ فِی دِینٍ بلا صلوٰۃ۔ (ابوداؤد ج3 ص242) یعنی جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا مطالعہ کیجئے جن میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق، کنجوسی اور فضول خرچی سے اجتناب، قتلِ اولاد کی ممانعت، زنا، قتل، یتیموں کا مال کھانا، ناپ تول میں کمی کرنا، زمین پر تکبر اور اکڑفوں کی چال چلنا ان سب سے روکا گیا ہے لیکن ان سارے اوامر ونواہی کی ابتداء توحید سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے توحید پر زور دیا جاتا اور شرک سے روکا جاتا ہے: لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا (بنی اسرائیل:22) "تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار ومددگار بیٹھا رہ جائیگا۔" اور اس اخلاقی درس کی انتہا بھی شرک سے اجتناب کی اسی تعلیم پر ہوتی ہے۔ اس ٹکڑے کے آخر میں فرمایا جاتا ہے: وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَہَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا (بنی اسرائیل:39) اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ملامت زدہ اور راندہ ہو کر۔ یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ ان تمام بھلائیوں سے وابستگی اور ان تمام حقوق کی ادائیگی توحید ہی سے ممکن ہے۔ جو شخص توحید کی اس تعلیم پر قائم رہے گا وہی ان تمام حقوق کو ادا کر سکتا اور ان اخلاقیات کا پابند رہ سکتا ہے۔ اسی سے ان فضائل کی ابتداء اور اسی پر ان کی انتہا بھی ہوتی ہے۔

2- علیٰ سبیل المشاکلہ

عربی ادب کا ایک عام اسلوب یہ ہے کہ کبھی کبھی بعض الفاظ محض مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے استعمال ہو جاتے ہیں۔ ان کا مفہوم ان کے لغوی معنٰی کے لحاظ سے نہیں بلکہ موقع ومحل سے متعین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حماسی شاعر کہتا ہے:

وَلَم یبق سِوَی العدوان دِنَّا ھم کما و انوا

)اور ظلم کا بدلہ دینے کے سوا کوئی راہ باقی نہ رہی۔ ہم نے انھیں بدلہ دیا جس طرح انھوں نے ہمارے ساتھ سلوک کیا۔(

یہاں دَانوا اپنے لغوی مفہوم (انھوں نے بدلہ دیا) میں نہیں بلکہ فَعلوا یا ظَلَموا کے معنٰی میں مستعمل ہے۔ اس لئے کہ دشمن نے حملہ میں پہل کی تھی اور اس صورت میں دشمن کے لیے بدلہ دینے کا مفہوم بے معنٰی ہوجاتاہے۔ اس اسلوب کی مثال سورۃ شوریٰ کی آیت 40 ہے۔ فرمایا:

وَ جَزٰؤُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَن عَفَا وَاَصلَحَ فَاَجرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِینَ۔ (شوریٰ:40 برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں کسی برائی کے جواب میں جو اقدام کیا جائے اسے بھی برائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ برائی کا جواب دینا اور انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو لیکن اسے بھی برائی کہنا محض لفظی مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے ہے۔ یعنی اہل ایمان کسی برائی کے جواب میں اتنی ہی کاروائی کرتے ہیں جو برائی کے ہم وزن ہو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔

3- نہی کے ساتھ قید

یہ قرآنِ پاک کا ایک اہم اسلوب ہے جس سے ناواقفیت ایک طالب علم کو بڑی الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ نہی کے ساتھ جو قید لگی ہوتی ہے اس کا مقصود صورت حال کا اظہار اور واقعہ کے گھناؤنے پن کو نمایاں کرنا ہوتا ہے قید اس کے ساتھ محض اس لیے بڑھادی جاتی ہے تاکہ وہ صورت حال سامنے آجائے جو اس کے ارتکاب میں مضمر ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ نور میں اسی اسلوب کی بلاغت ملاحظہ فرمایئے:

وَلَا تُکرِھوا فَتَیٰتِکُم عَلَی البِغَآءِ اِن اَرَدنَ تَحَصُّنًا لِّتَبتَغُوا عَرَضَ الحَیٰوۃِ الدُّنیَاۤ (نور:33)

اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔

یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر لونڈیاں نکاح کی قید میں آنا چاہیں تو ان سے زنا نہ کرو لیکن اگر وہ قیدِ نکاح میں آنے کو تیار نہ ہوں تو ان کو قحبہ گری پر مجبور کیا جاسکتا ہے بلکہ اِن اَرَدنَ تَحَصُّنًا (اگر وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں) کی شرط سے مقصود صرف حال کی تصویر اور اس کے نفرت انگیز ہونے کا اظہار ہے۔ جب اسلام نے زنا پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا اور غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کی ہدایت فرمائی، (نور:32 "تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو) تو قدرتی طور پر لونڈیوں کے اندر بھی ایک عام احساس بیدار ہوا کہ وہ اپنے اخلاقی معیار کو اونچا کریں اور ان میں سے جو اپنے مالکوں کے دباؤ کی وجہ سے پیشہ کراتی تھیں وہ خواہش

مند ہوئیں کہ یہ حرام پیشہ چھوڑ کر پاکدامنی کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اور چکلوں کے مالکوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب ان لڑکیوں کو جبکہ وہ زنا سے توبہ کرکے پاکدامنی کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں باقاعدہ چکلے قائم تھے جہاں قحبہ گری کا کاروبار بڑے زور وشور سے ہوتا تھا۔ وہ لوگ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتے تھے اور ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان میں سے بعض دورِ اسلام میں بھی خفیہ طور سے یہ کاروبار چلارہے تھے چنانچہ تاریخوں میں یہ ذکر موجود ہے کہ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی نے ایک چکلہ قائم کر رکھا تھا۔ یہی اسلوب سورۃ بنی اسرائیل میں استعمال ہوا ہے جہاں مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہاں بھی خشیۃ املاق کی قید محض اس کے گھنونے پن کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

بنی اسرائیل : 31 ”اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔“

یعنی اپنی اولاد کو قتل کرنے کا کام محض فقر وفاقہ اور مفلسی سے بچنے کے لیے کیا جارہا ہے جبکہ رزّاق والدین نہیں بلکہ وہ خدا ہے جو اولاد اور والدین دونوں کو روزی دیتا ہے۔

4-تصریف

اس لفظ کے لغوی معنٰی گردش دینے اور ہیر پھیر کر بیان کرنے کے ہیں۔ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب یہ ہے کہ وہ آیتوں کو الٹ الٹ کر مختلف زاویوں سے بیان کرتا ہے۔ اس کے لیے اس نے تصریف آیات کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مضمون مختلف سورتوں میں بار بار آتا ہے لیکن ہر جگہ ایک ہی پیش وعقب اور ایک ہی قسم کے لواحق وتضمنات کے ساتھ نہیں آتا بلکہ ہر جگہ اس کے اطراف وجوانب اور اس کے تعلقات وروابط بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مقام کے لحاظ سے اس میں مناسب حال تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک ہی چیز کبھی مرکزی مضمون کی حیثیت سے آتی ہے کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے کبھی تفصیل کے ساتھ۔ کبھی ایک چیز مقدم ہوتی ہے کبھی موخر، کبھی تنہا ہوتی ہے کبھی اپنے مقابل کے ساتھ، کبھی کسی چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے ساتھ۔ بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف ترتیبوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں ظاہر ہے کہ جب ایک ہی شے اپنے مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچاننے میں دقت نہ ہوگی اگر ایک ادا نگاہ سے چوک گئی تو دوسرا جلوہ سامنے آجائے گا۔ (فراہیؒ، حمید الدین: مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص 49،48) قرآن پاک نے خود بھی اس تصریف کا مقصد یہی بتایا ہے کہ تاکہ لوگ سمجھ سکیں اور اس کی آیات پر غور کرسکیں۔ فرمایا

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (انعام: 65) دیکھو، کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے تصریف کی حقیقت بالکل آشکارا ہوجاتی ہے۔ کہا یہ جارہا ہے کہ انسان کا عجیب حال ہے کہ جب کسی آفت میں گرفتار ہوتا ہے تو گڑگڑا

کر بھی اور دل میں چپکے چپکے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے لیکن جب اس سے نجات پاجاتا ہے تو پھر ناشکری و نافرمانی کی وہی زندگی اختیار کر لیتا ہے جس میں پہلے مبتلا تھا یہاں تک کہ اگر خدا کی پکڑ سے اسے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ ہو کر عذاب کا مطالبہ کر بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو کس طرح ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اور اپنے اختیار و تصرف کی دلیلیں مختلف اسلوبوں سے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ اسے یہ سمجھیں لیکن یہ سمجھنے کے بجائے ہمارا عذاب ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی سورۃ میں ذرا پہلے اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:

اُنظُر کَیفَ نُصَرِّفُ الاٰیٰتِ ثُمَّ ھُم یَصدِفُونَ (انعام:46) دیکھو، کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں، پھر بھی وہ اعراض کر رہے ہیں۔

پورے قرآن میں اصلاً تین چیزوں کی دعوت دی گئی ہے اور انھیں مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے کلام کی دلکشی اور جاذبیت بڑھ گئی ہے اور کہیں بھی تکرار کا عیب پیدا نہیں ہونے پایا ہے:۔ (1) توحید (2) معاد (3) رسالت قرآن نے ان ہی تینوں چیزوں کو مختلف انداز سے بار بار اس طرح دوہرایا ہے کہ ہر جگہ یہ مستقل اور نئے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر عقیدہ توحید کو لیجئے۔ کہیں قرآن نے اسے انسانی فطرت کی پکار کہا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ توحید انسان کے دل کی آواز اور عین تقاضائے فطرت ہے۔ شرک اس کے خلاف ہے۔ 1 کہیں اس پر اس حیثیت سے گفتگو کی ہے کہ یہ تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت رہی ہے اور ان سب نے اپنے اپنے زمانے میں توحید ہی کی طرف لوگوں کو بلایا ہے۔ 2 کہیں مشرکین کے اپنے نفس کی شہادت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور انھیں موت یا تباہی سامنے کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو وہ اپنے سب بناوٹی معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے مدد کی دعا مانگتے ہیں۔ 3 کہیں کائنات کے پورے نظام سے توحید کے حق میں زبردست دلائل دیے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس سارے عالم ہست و بود کا خدا ایک ہی ہے۔ 4 کہیں خدا کے بے شمار احسانات اور بے پایاں نعمتوں کا تذکرہ کر کے انسان کے جذبہ عبودیت کو مہمیز کیا گیا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہی خدا کو اپنی محبتوں اور اطاعتوں کا مرکز بنائے۔ 5 غرض یہ کہ مختلف پیرایوں میں بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور کہیں بھی عبارت اور کلام میں تکرار کا عیب پیدا نہیں ہوا ہے نہ ثقالت اور غیر ضروری طوالت کا احساس ہونے پایا ہے بلکہ ہر بیان کی نوعیت دوسرے بیانات کی نوعیت سے مختلف دکھائی دیتی ہے۔ اور ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست کا مصداق ہے۔

1 :روم:30۔ فِطرَتَ اللہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیھَا، لَا تَبدِیلَ لِخَلقِ اللہِ، ذَالِکَ الدِّینُ القَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکثَرَ النَّاسِ لَا یَعلَمُونَ یعنی ”قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

2 :نمل:36۔ انبیاء:25۔ بیّنہ:5۔ یوسف:40،39۔ مائدہ:72۔ انعام:74تا81۔ ابراہیم:36،35۔

3 :انعام:40، 41۔ یونس:22، 23۔ روم:32، 33۔ زمر:8۔

4 :بقرۃ:22،21۔ روم: 20 تا 27۔ یٰس: 36تا 44۔ حدید: 4تا 6۔ انعام: 95 تا 98۔ مومنون: 90۔

5 : نمل:60تا64۔ فرقان: 1تا3۔ نحل:65تا73۔

5۔ تخلیص

اس اسلوب کو اردو شاعری کی اصطلاح میں گریز کہا جاسکتا ہے۔ یعنی بات میں سے بات پیدا کرنا، ایک مضمون بیان کرتے کرتے بیچ میں کوئی موقعہ کی ہدایت و نصیحت یا واقعہ بیان کرکے اصل موضوع کی طرف پلٹ آنا، اس کو امام ابن قیم جوزیؒ نے تخلص یا انتقال من فنٍ الی فنٍ کہا ہے۔ یہ اسلوب بڑی مہارت اور حسن بلاغت کا متقاضی ہے۔ مضمون کا رخ تھوڑے سے وقفہ کے بعد پھر اسی اصل مواد کی طرف پلٹا دیا جائے اور یہ تھوڑا سا عرصہ اس طرح نکالا جائے اور اصل مضمون سے اس کا تعلق اس طرح جوڑ دیا جائے کہ درمیان میں کوئی بے ربطی کسی قسم کا جھول اور کوئی بیگانگی پیدا نہ ہو۔ سورہ مومنون کا مطالعہ کیجئے۔ ابتدا اہل ایمان کی فلاح اور حق کی تکذیب کرنے والوں کے خسران کے اعلان سے ہوتی ہے جس میں خدا کی ربوبیت کے شواہد سے جزا و سزا پر استدلال بھی شامل ہے اور یہ سلسلہ آیت 23 وَعَلَيهَا عَلَى الفُلكِ تُحمَلُونَ (اور ان (جانوروں) پر اور کشتیوں پر سواری بھی کرتے ہو) پر ختم ہوتا ہے۔ آگے مکذبین کے خسران اور مومنین کی فلاح پر تاریخی شواہد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا تذکرہ ہوتا ہے جو تاریخی تقدم کے اعتبار سے بھی رسولوں کی سرگزشت کا سرنامہ ہے اور خاص طور پر کشتی ہی کو ان کی اور ان کے ساتھیوں کی نجات کا اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا۔ کشتی کے ذکر کے بعد اس کشتی والے کے واقعہ کا ذکر اس طرح آگیا ہے گویا بات میں سے بات پیدا ہوگئی ہے۔ فرمایا:

"اور ان (جانوروں) پر اور کشتیوں پر سواری بھی تم کرتے ہو۔ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا، اسے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔" (مومنون:22، 23)

تاریخی شواہد کے بعد آیت 50 سے پھر اصل مضمون شروع ہوگیا ہے۔

سورۃ انبیاء آیات 30تا33 کا مطالعہ بھی اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے مفید ہوگا۔ یہاں توحید معاد اور جزا پر آفاق سے دلائل فراہم کئے گئے ہیں اور انسانوں کو دعوت، فکر دی گئی ہے فرمایا: ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ دئے جو اس کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں کہ مبادا وہ ان کے سمیت کسی سمت کو لڑھک کر کسی اور کرہ سے جا ٹکرائے اور یہ اہتمام بھی کیا کہ ان پہاڑوں کے درمیان درّے بھی بنائے کہ وہ لوگوں کے راستے کا کام دیں اور وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو آجا سکیں۔ اگر خدا نے ایسا نہ کیا ہوتا تو لوگ اپنے اپنے علاقوں ہی کے اندر بند ہو کر رہ جاتے اور کسی کے امکان میں بھی نہ ہوتا کہ وہ سفر اور تجارت کی راہیں کھول سکے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پہاڑوں

کے اصل مقصدِ تخلیق کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا نے اپنی یہ عظیم نشانیاں اسی لیے نمایاں فرمائیں کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھلیں، ان پر پہاڑوں کے خالق کی قدرت عظمت اور حکمت کی شان واضح ہو، اور وہ خدا تک پہونچ سکیں۔

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تا کہ وہ انھیں لے کر ڈھلک نہ جائیں۔ اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تا کہ لوگ (خدا کی طرف) رہنمائی حاصل کر سکیں۔'' (انبیاء: 31)

انبیاء کی مندرجہ بالا آیت میں اصل مقصدِ تخلیق کی طرف اشارہ کر کے اگلی آیت سے پھر اصل مضمون شروع کر دیا گیا اور زمین کی نشانیوں کے بعد آسمان کی نشانیوں پر توجہ دلائی گئی۔ سورہ نحل کی مندرجہ ذیل آیات بھی اس اسلوب کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں:

''اس نے جانور پیدا کئے جس میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے، جبکہ تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ کو ڈھو کر ایسے مقامات تک لیجاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہونچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق ہیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' (نحل: 5 تا 9)

سوال نمبر 5۔ تاویل کی اقسام اور فضیلت کے اعتبار سے تفسیر کی اہمیت بیان کیجئے۔

تفسیر یہ لفظ "فسر یفسر تفسیرا "باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی واضح کرنے اور کھول دینے کے ہیں' جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ (الفرقان)

"یہ کافر آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ تفصیل آپ کو بتادیں گے ۔"

اس آیت میں لفظ تفسیرا بمعنی تفصیلا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی معنی لیا ہے۔

تفسیر کی مفسرین نے مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے:

هو علم يبحث فيه عن احوال القرا ن المجيد من حيث ولا لتيه على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية

(التفسير ولمفسرون : 1/15 وقواعد التفسير: 1/29)

"تفسیر ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن مجید کے احوال کے بارے میں اس طرح بحث کی جائے کہ اس سے اللہ کی مراد حاصل ہو جائے"

تاویل:

یہ لفظ "اول یوول تاویلا "باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں ۔

اصطلاحی تعریف:

تاویل کی تعریف میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے ۔

متقدمین کی تعریف:

متقدمین سے دو تعریفیں منقول ہیں:

" -1تاویل اور تفسیر دونوں مترادف ہیں ۔"

یعنی جو تعریف تفسیر کی ہے وہی تاویل کی ہے ۔ ان مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰہُ ۔۔۔۔۔۔۔﴿۷﴾آل عمران(

"حالانکہ ان (محکمات اور متشابہات) کا مفہوم اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا "۔

2۔ "کسی کلام سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہو اسے تاویل کہتے ہیں"

متاخرین کی تعریف:

))هو صرف اللفظ عن المعنى الراجح الى المعنى المرجوح لدليل يقترن به) ((التفسير والمفسرون: ۱/۱۸(

"کسی دلیل کے پیش نظر لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مرادلے لینا تاویل کہلاتا ہے ۔"

نوٹ : اصول فقہ اور اختلافی مسائل میں تاویل کا معنی متاخرین والا مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں تاویل کرنے والا دوچیزوں کا پابند ہوتا ہے:

1۔جو معنی وہ مرادلے رہا ہو لفظ اس کااحتمال بھی رکھتا ہو ۔

2۔وہ دلیل یاقرینہ بیان کرے جس کی وجہ سے اس نے راجح معنی چھوڑ کر مرجوح معنی مرادلیا ہے' ورنہ وہ تاویل فاسد ہو گی بلکہ 'تحریف کے زمرہ میں آئے گی۔

تفسیر اور تاویل میں فرق:

متقد مین تودونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن متاخرین نے ان دونوں میں کئی انداز سے فرق بیان کیا ہے 'مثلا:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) تفسیر عام ہے اورتاویل خاص ہے یعنی تفسیر کالفظ عموما الفاظ کے لیے اور تاویل کا لفظ معانی کے لیے استعمال ہوتاہے۔

(ب) تفسیر کا عام طور استعمال "مفردات" میں ہوتا ہے اور تاویل کا اطلاق "جملوں" پر ہوتا ہے۔

امام ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جس میں یقینی طور پر اللہ تعالی کی مراد معلوم ہو اسے تفسیر کہتے ہیں اور جس میں مختلف احتمالات رکھنے والے معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے لیکن یقینی فیصلہ نہ کیا جائے تو اسے تاویل کہتے ہیں۔

امام ابو طالب ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی' اسے بیان کرنا "تفسیر" کہلاتا ہے اور کسی لفظ کے باطنی اور مخفی معنی کے واضح کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

امام بغوی اور الکواشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آیت سے ایسا معنی مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو اور وہ آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو' نیز قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو' اسے "تاویل" کہتے ہیں۔اور کسی آیت کے سبب نزول اور واقعہ کے متعلقہ ذکر وبیان کو " تفسیر" کہتے ہیں ۔

بعض کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

بعض کے نزدیک جو مفہوم ترتیب عبارت سے حاصل ہو وہ تفسیر کہلائے گا اور جو مفہوم ترتیب عبارت سے اشارتا حاصل ہو وہ تاویل کہلائے گا۔

مذکورہ اقوال میں آخری قول زیادہ راجح ہے کیونکہ تفسیر کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

"آیت کی اس طرح وضاحت کرنا کہ اس سے مراد ربانی کا اظہار قطعیت اور وثوق سے ہو جائے"۔

اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہو گا جب خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سے روایتا منقول ہو جب کہ تاویل میں یہ بات ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایک لفظ میں جس قدر بھی معانی کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور ترجیح کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد میں لغت عرب اور سیاق وسباق کی طرف احتیاج ہوتی ہے جس کا تعلق درایت سے ہے۔

امتحانی مشق نمبر 2

سوال نمبر 1: تابعین کے آخری دور میں تفسیر کے اسلوب کی نوعیت کو بیان کیجئے۔

لفظ "تفسیر" کا مادہ فسر سے ہے جس کے معنی ہیں ظاہر کرنا، کشف کرنا، بند چیز کو کھولنا، تشریح کرنا، توضیح و تفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا۔ اصطلاحی اعتبار سے تفسیر کے معنی ہیں قرآن مجید کی تشریح، توضیح کرنا۔ اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطالب ظاہر کرنا ہے۔ قرآن فہمی کے علم کو رسول اللہ ﷺ نے بہترین علم قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کی اہمیت کا درج ذیل پہلوئوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ قرآن مجید معلومات و معارف کا خزانہ ہے ایسے کلام کی تفسیر و تشریح کرنا لازم ہے تا کہ اسے سمجھا جائے۔

۲۔ فہم قرآن میں پیش آنے والی دشواریوں کا ازالہ صرف تفسیر سے کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ابہام پایا جاتا ہے اس ابہام کو صرف تفسیر سے دور کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کے اجنبی و غیر مانوس الفاظ فہم قرآن کی مشکلات میں سے "غریب الفاظ کی عدم معرفت" ایک مشکل ہے اس مشکل کو صرف ان الفاظ کی تفسیر سے دور کیا جا سکتا ہے

۵۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کی کتاب ہے اس کی آیات وقت کے ہر مسئلہ اور زمانے کی ہر اجتماعی و انفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے مسلسل غور و فکر اور تدبر و تفکر کی ضرورت ہے۔

۶۔ قرآن مجید میں لوگوں کے ہر طبقہ کے مسائل و احکام بیان ہوئے ہیں جن میں سے کچھ تو تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور کچھ کی طرف صرف اشارۃً جزئیات بیان کی گئی ہیں انہیں سمجھنا ضروری ہے۔

۷۔ قرآن مجید نے اپنے بندوں کے لیے ہر طرح کی تعلیمات بیان فرمائی ہیں تا کہ ان پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔ اور یہ کام صرف قرآن مجید کی تفسیر کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۸۔ مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات کا بنیادی سبب قرآن مجید کے رہنما اصولوں سے ناواقفیت ہے۔ ان اصولوں سے واقفیت صرف قرآنی آیات کی تشریحات سے حاصل ہو سکتی ہے۔

انسانوں کے لیے تفسیر قرآن کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مفسر شارح بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی تفسیر و توضیح کا حق رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا کہ آپؐ اپنے اقوال، احوال اور افعال سے قرآن مجید کی تشریح فرمائیں۔ گویا قرآن مجید کی تفسیر کرنا آپ کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم اور اولین ذمہ داری تھی۔ آپؐ نے تو اپنی زندگی کو قرآن مجید کے رنگ میں رنگ لیا تھا اسی حقیقت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "کان خلقہ القرآن" اسی بناء پر آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے فکر و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ محض تدبر اور تفکر انسانی فہم قرآن کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت تفسیر کی سمجھ بوجھ بھی درکار ہے۔

تفسیری ارتقاء کا پہلا مرحلہ عہدِ نبوت، عہد صحابہ اور تابعین پر مشتمل ہے۔ اس مرحلہ میں قرآنی آیات کی تفسیر کرنے کے لیے قرآن ہی کی دوسری آیات اور احادیث کو روایت کے طرز پر بیان کیا جاتا تھا۔ اس طرزِ تفسیر کو عرف عام میں تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ تفسیر ابی بن کعبؓ، تفسیر عبداللہ بن عباسؓ، تفسیر سعید بن جبیرؒ، تفسیر ابی العالیہؒ اس دور کی مشہور و نمائندہ تفاسیر ہیں۔ تابعین حضرات علم حدیث کی طرح علم تفسیر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے حاصل کرتے تھے یہ لوگ صرف منقول پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی رائے بھی اختیار کرتے تھے۔

دوسرا مرحلہ تبع تابعین کی تفسیری کاوشوں پر مشتمل ہے۔ اس دور میں ایک طرف باطل فرقے، معتزلہ، قدریہ اور سبائیت وغیرہ اپنے فاسد اور باطل نظریات پھیلا رہے تھے اور دوسری طرف یونانی فلسفہ اذہان و قلوب کو مسموم کر رہا تھا۔ مزید برآں ملحدین کا ایک طبقہ بھی تھا جو قرآن پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہا تھا۔ چنانچہ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ایسی تفاسیر تالیف کی گئیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی تفاسیر اور صحابہؓ و تابعین کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ لیکن اس دور میں پھیلنے والے اعتقادی اور نظریاتی فتنہ کی روک تھام کے لیے صرف تفسیر بالماثور کا اہتمام کافی نہ تھا بلکہ معتبر دلائل سے باطل فرقوں کے نظریات اور ان کے اعتراضات و شبہات کی تردید بھی درکار تھی جس کے لیے سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں فرق باطلہ کی تردید میں قلم اٹھایا گیا اور ان باطل نظریات کی تردید کی گی۔ تفسیر کے مختلف مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر نویسی کے تیسرے مرحلے یعنی دوسری صدی ہجری میں فن تفسیر اور اس کے متعلقات پر ساٹھ سے زیادہ کتب تالیف ہوئیں ہیں۔

تیسرے مرحلے میں تفسیر نویسی نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر لی۔ اب ایک ایک سورۃ یا چند آیات کی تفسیر کے بجائے پورے قرآن کی تفسیر ہونے لگی۔ اس مرحلہ میں مرتب ہونے والی تفاسیر کو بھی تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان تفاسیر میں احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ان مفسرین میں ابن ماجہؒ، ابن جریرؒ طبری، ابو بکر بن منذر نیشاپوریؒ، امام حاکمؒ اور ابو بکر بن مردودیہؒ جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ پھر یہی اسالیب یا رجحانات تفسیر میں وسعت کا سبب بنے اور نتیجہ کے طور پر کئی اسالیب سامنے آئے۔ جو شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں سات بیان کیے ہیں اور ڈاکٹر محمد حسین ذھبیؒ نے انہی رجحانات کو اپنی

کتاب "التفسیر والمفسرون" ہیں بیان کیا اور ان پر دو اور رجحانات کا اضافہ کیا ہے۔ان دونوں حضرات کے علاوہ جس نے بھی تفسیری رجحانات کو بیان کیا ہے اس نے ان ہی کے متعین کردہ اسالیب کو اپنے اپنے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب تفسیر بالماثور ہے۔اس تفسیر میں مفسر آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار و روایات بیان کرتا ہے۔خواہ وہ مرفوع ہوں یا موقوف۔اس طرح اثری اسلوبِ تفسیر کی درج ذیل ذیلی صورتیں ہیں۔

۱۔ قرآن میں بعض مضمون انتہائی مختصر دیئے ہوئے ہیں جبکہ دوسری جگہ وہی مضمون قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔جیسے قصہ آدمؑ و ابلیس، قصہ موسیٰؑ و فرعون وغیرہ۔اور بعض مجمل اشارے کو کسی دوسری آیت میں واضح کیا جاتا ہے۔تفسیر قرآن کا سب سے بہترین یہ اسلوب ہے۔اسے عموماً تفسیر قرآن بالقرآن کہتے ہیں۔

۲۔ قرآن کی آیات کے بیان میں آپ ﷺ کا بیان کردہ معنی و مفہوم دوسرے تمام مفاہیم سے بہتر، قابل عمل اور جامع ہے۔گویا قرآن کی جو تفسیر خود اللہ نے فرمائی ہے اس کے بعد تفسیر رسول اللہ ﷺ کا درجہ ہے۔یہ اسلوب تفسیر بالماثور کے پہلے اسلوب کی طرح قابل قبول اور قابل اعتبار ہے بشرطیکہ احادیث میں ضعف نہ پایا جاتا ہو۔

۳۔ جمہور مفسرین کے نزدیک صحابہؓ کے اقوال قابل اتباع ہیں۔کیونکہ وہ براہِ راست حضور ﷺ کی صحبت سے مستفید اور اخلاق نبوی ﷺ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔جمہور علماء کے ہاں صحابہ کرامؓ کے اقوال بمنزلہ ان روایتوں کے ہیں جو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہوں۔اس طریقہ تفسیر کو تفسیر بالا قوال الصحابہؓ کہتے ہیں۔

۴۔ تفسیر بالماثور کے اسالیب میں سے چوتھا اسلوب یہ ہے کہ تابعینؒ حضرات کے اقوال سے قرآنی آیات سے تفسیر و توضیح کی جائے۔مشہور تابعین مفسر قرآن میں سعید بن جبیرؒ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، عطا بن ابی رباح، حسن بصریؒ، مسروق بن الاجدعؒ، سعید بن المسیبؒ، ابوالعالیہؒ ؒ، ربیع بن انسؒ اور ضحاک بن مزاحم وغیرہم ہیں۔

۵۔ تبع تابعین سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے تابعین کرام سے استفادہ کیا اور ان کے علمی وارث ٹھہرے۔ان لوگوں نے تفسیر القران پر باقاعدہ کتب تالیف کیں جن میں اقوال صحابہؓ جمع کیے۔یعنی تفسیر باالا قوالِ تبعہ تابعین۔

۶۔ قرآن کی تفسیر اسرائیلی روایات کے ذریعے بیان کرنا۔علماء نے ان روایات کو تین اقسام بیان کی ہیں۔

پہلی قسم کی وہ روایات ہیں جن کی صداقت پر اسلام میں دلائل و شواہد موجود ہیں۔اس قسم سے متعلقہ روایات صحیح اور مقبول ہیں۔دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جو درایتی معیار پر پورا نہیں اترتیں ایسی روایات کے متعلق حکم ہے کہ ان روایات کو نہ قبول کیا جائے اور نہ ہی آگے روایت کیا جائے۔تیسری روایات وہ ہیں جن کے مضامین سے کوئی دینی یا دنیوی منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ان روایات کی تکذیب اور تصدیق نہیں ہوسکتی۔

سوال نمبر2: تفسیر بالماثور کے پہلے دو بنیادی طریقوں کو مدلل انداز میں بیان کیجئے۔

ایسی تفسیر جس میں تفسیر بالماثور والمنقول پر کفایت کی جائے۔یعنی قرآن و سنت اقوال صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین اور تابعینؒ سیر و تاریخ کی مستند روایات کو ہی مد نظر رکھا جائے۔اس قسم کی تفسیر کو تفسیر منقول بھی کہتے ہیں۔

اس مکتب فکر کے حامل افراد کا یہ کہنا ہے کہ قرآن مجید خود کئی مقامات پر اپنی تشریح کرتا ہے۔اسی طرح جس بات کو جاننے کی ضرورت تھی۔یا جو بات شرح طلب تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی۔اس پر مزید صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین وتابعینؒ نے بیان فرمایا۔ان کے بعد مزید بحثوں میں پڑنے سے ایمان کے نقصان کا خطرہ ہے۔اس مدرسہ فکر کے حامل حضرات کو اصحاب الحدیث بھی کہتے ہیں۔قرآن مجید کی خود شرح کی قرآن مجید میں بے شمار مثالیں ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ ...سورۃ البقرۃ

"پس سیکھ لیں آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں۔پس پھر آیا اور اس کے تحقیق وہ پھر آنے والا ہے مہربان۔"

ان کلمات کی وضاحت جو حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے۔قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر اس طرح سے ہے۔:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ ...سورۃ الاعراف

"کہا دونوں نے اے ہمارے رب ظلم کیا ہم نے جانوں اپنی کو اور اگر نہ بخشے گا تو ہم کو اور نہ رحم کرے گا تو ہم کو البتہ ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے۔"

اسی طرح تفسیر القرآن بالقرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ ...سورۃ الدخان

"تحقیق اتارا ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں، تحقیق ہم ہیں ڈرانے والے۔"

لیلۃ مبارکہ کی توضیح اس طرح سے خود ہی قرآن نے بیان کی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ ...سورۃ القدر

"تحقیق ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں نازل کیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کائنات ارضی پر قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن مجید تھا۔"

کئی آیات قرآنی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر بیان فرمائی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مفاتح الغیب خمسة " ثم قرأ ھؤلاء الآیات (إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ) إلی آخرھا.

"غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِکی تلاوت فرمائی۔"

اس بات کو ایک اورحدیث میں اس طرح سے بیان کیا ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال "مفاتیح الغیب خمس لا یعلمھا إلا اللہ: لا یعلم ما في غد إلا اللہ، ولا یعلم ما تغیض الأرحام إلا اللہ، ولا یعلم متی یأتي المطر أحد إلا اللہ، ولا تدري نفس بأي أرض تموت، ولا یعلم متی تقوم الساعة إلا اللہ

"غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا۔رحم جو کمی کرتے ہیں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بارش کب ہوگی؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کو موت کہاں مل جائے گی۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا قیامت کب ہوگی۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"غیب کی پانچ چابیاں ہیں(پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی):

﴿إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّـهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾﴾ ...سورة لقمان

"اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کب آئے گی۔اور وہی پانی برساتا ہے،اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔اور کسی کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔اور کوئی نہیں جانتا وہ کس ملک میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جانتا ہے اُسی کو خبر ہے۔"

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں آنحضرت نے جو تشریح کی ہے وہ واضح ہے۔ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،جب یہ آیت اتری:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ... ﴿٨٢﴾﴾ ...سورة الانعام

"جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم نہیں ملایا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کو یہ بات بہت گراں گزری اور کہنے لگے ہم میں سے کون ہے جس نے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا ہو،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا، بات یہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا تم کو حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا علم نہیں کہ:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ ... سورۃ لقمان

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں قسم کی تفسیریں یعنی تفسیر القرآن بالقرآن یا تفسیر القرآن بالسنۃ اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ خدا خود ہی اپنے کلام کو ہر ایک سے بہتر سمجھتا ہے۔ اوپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا وہ ہر لحاظ سے اس کی تفسیر کے ماہر تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ... ﴿٤٤﴾ ... سورۃ النحل

"ہم نے آپ ہر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو واضح کر کے بتادیں جو اُن پر نازل ہوا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کا درجہ ہے جو پوری امت میں ہر لحاظ سے افضل لوگ تھے۔ قرآن مجید کی جو تشریح اور تفسیر ان کی زبان سے نکلی اس کے ثقہ اور صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

ان تفسير الصحابي الذي شهد الوحي والتنزيل له حكم المرفوع

صحابی کو تفسیر کو جو وحی اور تنزیل کے وقت موجود تھا، مرفوع کا حکم ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی بیان کردہ تفاسیر کی مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ... سورۃ ق

"وہ جو لفظ بھی بولتا ہے اس کے پاس نگران منعقد ہوتا ہے۔"

تو انھوں نے فرمایا:

إنما يكتب الخير والشر لا يكتب يا غلام أسرج الفرس ويا غلام اسقني الماء بل يكتب الخير والشر

"خیر اور شر لکھی جاتی ہے۔ یہ نہیں لکھا جاتا اے غلام گھوڑے پر زین ڈال۔ اے غلام مجھے پانی پلا۔ بلکہ نیکی اور بدی لکھی جاتی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ ... ﴿۴۸﴾ ... سورۃ العنکبوت

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے"

تفسیر یہ مروی ہے:۔

قال لم یکن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقرأ او یکتب.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔"

ان کے علاوہ بھی کئی آیات کی تفسیر صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین سے مروی ہے۔

تابعینؒ کے اقوال بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان لوگوں نے صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا۔کتب تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول سے یہی مراد نہیں کہ ان میں مندرجہ بالا امور کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوئی، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں کو ہر لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر بالماثور کی مشہور کتب:۔

مناع القطان نے درج ذیل کتب کو اس زمرہ میں شمار کیا ہے۔

1۔ تفسیر المنسوب الی ابن عباس 68ھ۔

2۔ تفسیر ابن عینیۃ (ابو محمد سفیان بن عینیہ بن میمون الی الھلالی مولد ہم الکونی ثم مکی ف198۔

3۔ تفسیر ابن ابی حاتم (عبدالرحمٰن بن محمد ف191ھ)

4۔ تفسیر ابی الشیخ ابن حبان (ابو الشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حبان یا حیان ف361ھ)

5۔ تفسیر ابن عطیہ (عبدالحق بن غالب المحازنی (ف546ھ)۔

6۔ تفسیر بحر العلوم، ابو اللیث السمر قندی (نصر بن محمد ۔ف373ھ)۔

7۔ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن (احمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری ۔ف427ھ)۔

8۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن (ابن جریر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر ف310ھ)۔ مطبوع کتاب کا نام اس طرح سے ہے۔ جامع البیان عن تاویل ای القرآن۔

9۔ تفسیر ابن ابی شیبہ (ابو بکر عبداللہ بن محمد ابی شیبہ ف239ھ۔)

10۔ معالم التنزیل البغوی (ابو محمد حسین بن مسعود البغوی، ف516ھ۔

11۔ تفسیر القرآن العظیم ابو الفداء الحافظ اسماعیل (حافظ اسماعیل بن کثیر ف774ھ۔

12۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن تفسیر الثعالبی (ابو عبدالرحمٰن محمد بن مخلوف۔ف875ھ۔

13۔ الدرالمنثور فی تفسیر الماثور۔ (جلال الدین سیوطی، ف911ھ)

14۔ فتح القدیر تفسیر شوکانیؒ (محمد بن علی ۔ف 1250ھ)

ان میں سے بعض کتب اور ان کے مولفین کا تعارف درج ذیل ہے:

1۔ تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ صحیح روایات کے مطابق وہ فرماتے ہیں:

ولدت وبنو هاشم في الشعب

"میں اُس وقت پیدا ہوا جب بنو ہاشم شعب میں تھے(

گویا آپ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:

"ہم ان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں مانتے کہ آن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی۔ جو ان کی خالہ میمونہ بنت الحارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں تھیں۔

بعض اوقات ان کے گھر جاتے اور رات گزارتے، چونکہ ذہین وفطین تھے اور علم و عمل کا شوق رکھتے تھے۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز نقل فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ

"اے اللہ اسے دین میں سمجھ عنایت فرما اور تاویل سکھا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:۔

اللهم علمه الكتاب"

"اے اللہ ! اسے کتاب اللہ کا علم عنایت فرما۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں بڑھے اور علم حاصل کیا۔اس سے گولڈ زہیر کی غلط بیانی کی تردید ہوتی ہے جو اس نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود کے علماء سے علم حاصل کیا۔اور وہ بیان کرتے تھے:

وکثیر مانجد مصاور العلم المقفلة لدی ابن عباس الیھود دین الذین اعتنقا الاسلام کعب الاحبار و عبداللہ بن سلام

"ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے بڑے مصدر دو یہودی تھے۔جو مسلمان ہو گئے تھے۔کعب بن احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

حمد امین مصری مشہور مفکر حدیث نے بھی مغربی آقا کی پیروی میں یہی انداز اختیار کیا ہے۔ ان کی تردید استاد محمد حسین الذہبی نے کی ہے۔تفصیل کے لئے ان کی کتاب ملاحظہ کریں۔

بصیرت ہو تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول پڑھو جس میں انھوں نے اہل کتاب کے متعلق وضاحت فرمائی:

عن عبد اللہ بن عباس رضي اللہ عنھما قال یامعشر المسلمین کیف تسألون أھل الکتاب وکتابکم الذي أنزل علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم أحدث الأخبار باللہ تقرء ونہ لم یشب وقد حد ثکم اللہ أن أھل الکتاب بدلوا ما کتب اللہ وغیروا بأیدیھم الکتاب فقالوا [ص:954] ھو من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا أفلا ینھاکم ما جاءکم من العلم عن مساءلتھم ولا واللہ ما رأینا منھم رجلا قط یسألکم عن الذي أنزل علیکم

"مسلمانوں آپ اہل کتاب سے کیوں پوچھتے ہیں جبکہ آپ کی کتاب جو آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اتاری۔سب سے بعد میں اتری ہے۔پرانی نہیں ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ اہل کتاب نے اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو بدلا اور تحریف کی،اپنی مرضی سے لکھ کر کہنے لگے یہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔تاکہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر سکیں۔جو علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہے وہ آپ کو اس بات سے نہیں روکتا کہ آپ ان سے سوال کریں؟خدا کی قسم! میں نے ان سے ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ آپ سے اس چیز کے متعلق پوچھتا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات بھی ہوئی تو معلومات کے لئے یا تصدیق اور تردید کے لئے پوچھا نہ کہ مصدر سمجھ کر۔اہل علم کی شان یہ ہے کہ وہ دونوں پہلو بیان کرتے ہیں۔احمد بن مصری جیسے متجدد اور مستشرقین کا بھی علمی تقاضا ہے کہ وہ اس علمی دیہانت کے تحت اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاري کی اس روایت کو بھی علي رئوس الاشھاد بیان کرتے ہیں۔لیکن ایسا نہیں کیا۔کیونکہ علمی حقائق کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اسلام کو ہدف تنقید بنانا

مقصود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ لغت عرب کے ماہر تھے ان کی وفات 68ھ میں ہوئی۔ محمد بن حنفیہ (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے) نے جنازہ پڑھایا۔ ان کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشہور ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جو تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جسے ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب "قاموس المحیط" نے جمع کیا ہے۔ مصر سے کئی دفعہ شائع ہوئی۔ پاکستان سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس کو ڈاکٹر عبد العزیز بن عبد اللہ الحمیدی نے کتب ستہ سے ان کی تفسیری روایات کو جمع کیا ہے اور ان کی سند پر بحث بھی کی ہے۔ اس کو جامعہ ام القریٰ نے شائع کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر اور ان کے علم کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی تفسیر کے ماخذ درج ذیل ہیں:

1۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا۔

2۔ صحابہ کبار رضوان اللہ عنھم اجمعین سے علم حاصل کیا۔

3۔ لغت عرب اور شعر جاہلی سے بہت استشہاد کر تے تھے۔ اس میں عین ایک خاص واقعہ ہے۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ کے صحن میں قرآن کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ نافع بن الازرق اور نجدہ بن عویمر خارجیوں نے قرآن مجید کی بعض آیات کے متعلق عرب سے استشہاد کیا تو آپ نے ان کو بیان کر دیا۔

فہم ناقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا اثر تھا اور خاندانی فصاحت وبلاغت سے آپ خود تفسیر بیان فرماتے تھے۔ مناع القطان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کی آٹھ سلسلوں سے روایت کی ہے۔

تفسیر ابن جریر الطبریؒ:۔

ابو جعفر محمد بن جریرؒ بن یزید بن کثیر الطبری 224ھ میں طبرستان میں پیدا ہوئے۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ابن جریر الطبریؒ من کبار أئمّة الإسلام, وعلماً من أعلام الدّین, یُحکم بقوله, ویُرجع إلی رأیه، لمعرفته وفضله, وکان قد جمع من العلوم مالم یُشارِک فیه أحدٌ من معاصریه, فقد کان حافظاً لکتاب الله

ابن جریرؒان اماموں سے ایک تھے جن کی بات کو وقعت دی جاتی تھی۔ان کے علم ومعرفت کی طرف لوگوں کی نگاہیں تھیں۔علوم میں کوئی ہم عصران کاثانی نہ تھا۔آپ قرآن مجید کے حافظ تھے۔انکی وفات 310ہجری میں ہوئی۔

اُن کی تفسیر بہت اہمیت کی حامل ہے۔اس کے متعلق ابو حامد الاسفرائنیؒ فرماتے ہیں:

لو سافر رجل إلی الصین في تحصیل تفسیر ابن جریر لم یکن کثیرا"

"اگر کوئی تفسیر ابن جریرؒ کے لئے سفر کرے تو یہ زیادہ نہیں۔"

امام نووی ؒ فرماتے ہیں:

وکتاب ابن جریر في التفسیر لم یصنّف أحد مثله

"تفسیر ابن جریر جیسی کتاب کسی نے تصنیف نہیں کی۔"

اُن کی تفسیر کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔تفسیر بالماثور پراقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،اقوال الصحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین اور تابعینؒ پر اعتماد کرتے ہیں۔

2۔روایات کو اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔اور ترجیح بھی بیان کرتے ہیں۔

3۔ناسخ ومنسوخ کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

4۔وجوہ اعراب بیان کرتے ہیں اور آیات سے استنباط احکام کرتے ہیں۔

5۔بعض اوقات اسرائیلی روایات بیان کرکے عام طور پر ان پر تنقید کرتے ہیں۔

تفسیر بحر العلوم السمرقندی:۔

ابو للیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندیؒالفقیہ الحنفی بہت مشہور مفسر ہیں۔آپ امام الھدیٰ کے نام سے بھی معروف ہیں۔آپ کے استاد گرامی ابو جعفر الہندوانی ہیں۔ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

1۔تفسیر القرآن المسمیٰ بحر العلوم۔۔۔2۔کتاب النوازل فی الفقہ۔۔۔3۔خزانۃ الفقہ۔۔۔4۔تنبیہ الغافلین۔۔۔۔5۔البستان

اُن کی وفات 373ھ یا375ھ میں ہوئی۔

فسیر بحر العلوم کے متعلق حاجی خلیفہ فرماتے ہیں:

"ابو للیث نصر بن محمد الفقیہ السمرقندی کی تفسیر نہایت عمدہ ہے جس کی احادیث کی تخریج شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغاف 899ھ نے کی ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ اس کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی طالب علم اس کی تحقیق کر کے اسے اہل علم لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ یہ القاہرہ میں موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اس تفسیر سے استفادہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"یہ تین بڑی جلدوں میں مخطوط کی صورت میں دار الکتب العربیہ میں موجود ہے۔ اس کے مکتبہ الازہر میں دو نسخے موجود ہیں۔ میں نے اس تفسیر کو پڑھا ہے۔" اس نے مجرد رائے سے تفسیر بیان کرنے کی حرمت کے متعلق لکھتا ہے:۔

"میں نے دیکھا کہ اس کا مولف تفسیر سلف سے بیان کرتا ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین تابعینؒ اور بعد کے لوگوں سے بیان کرتا ہے۔ اسناد کی طرف اس کی توجہ بہت کم ہے۔ اور عام طور پر روایات پر جرح و تعدیل بھی نہیں کرتے۔ لیکن یہ کتاب تفسیر بالروایۃ اور درایۃ کا بہترین نمونہ ہے جبکہ عقلی جانب پر نقلی جانب غالب ہے اسلئے اس کو تفسیر بالماثور میں شمار کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے قلمی نسخوں کی موجودگی اور اس کے مولف کے اسناد ذکر نہ کرنے کو استاد عبدالعظیم الزرقانیؒ نے بھی اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

الکشاف والبیان عن تفسیر القرآن للثعلبی:۔

مولف کتاب ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبیؒ نیشا پوری تھے آپ عظیم قاری، مفسر قرآن اور واعظ تھے۔ اور بہت دیندار آدمی تھے۔ ان کے متعلق ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

آپ یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے اتنی بڑی تفسیر لکھی جو دیگر تقاریر پر فوقیت رکھتی ہے۔"

یاقوت حمویؒ فرماتے ہیں:۔

ثعلبیؒ ایک عظیم قاری، مفسر، واعظ، ادیب، ثقہ، حافظ اور صاحب تصانیف تھے۔"

ابن الاثیرؒ آپ کی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ان کو ثعلبی اور ثعالبی دونوں طرح سے یاد کیا جا تا ہے۔

آپ نے ابو طاہر بن خزیمہؒ اور ابو بکر بن مہرانؒ قاری سے کسب فیض حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ابو الحسن الواحدی شامل ہے۔ آپ کا انتقال 427ہجری میں ہوا۔

یہ تفسیر قلمی صورت میں سورۃ الفرقان تک مکتبۃ الازہر میں موجود ہے۔ باقی مفقود ہے۔ محمد علی الصابونی نے یہی بیان کیا ہے۔

سوال نمبر 3: تفسیر بالرائے کے کی اقسام اور اس کے جواز و عدم جواز میں علماء کے موقف کو بیان کیجئے۔

تفسیر بالرای سے مراد قرآن کی اجتہاد سے تفسیر بیان کرنا ہے۔ رائے اجتہاد کے معنی میں ہے۔ رائے کا لفظ قیاس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض نے تفسیر بالرای سے مراد ایسی تفسیر لی ہے جس میں مفسر قرآن معنی کے بیان میں اپنے فہم خاص اور مجرد رائے سے استنباط کرتا ہے۔ ان دونوں طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے اور قیاس کو اگر شریعت کے تابع رکھا جائے تو اس سے شریعت کی روح متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر رائے اور اجتہاد کو غلط استعمال کیا جائے تو یہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔ اس کو اہل علم نے تفسیر بالرای المحمود اور تفسیر بالرای المذموم قرار دیا ہے۔

احمدون ڈنفر نے تفسیر بالرای کی اس طرح وضاحت کی ہے:

ایسی تفسیر بالرای جو اپنی مرضی سے کی جائے جس میں محض رائے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز قرار دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرآنِ بِرَأيِهِ ، فَلْيَتَبوأُ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"جس نے اپنی مرضی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔"

دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرآنِ بغیر علم ، فَلْيَتَبوأُ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"جس نے قرآن مجید کے متعلق علم کے بغیر بیان کیا۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔"

اس قسم کی تفاسیر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے بیان کی ہیں۔ اگر تفسیر بالرای کو غور و فکر سے بیان کیا جائے تو یہ دین کی خدمت ہے۔ اور ملحدین کے جواب بھی اس میں آتے ہیں۔ جدید علوم و فنون کے ذریعے جو نت نئے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ اس مکتب فکر کے حامل لوگوں نے ان کو اپنا موضوع بنایا۔ اور ایک متوازن نقطہ نظر پیش کیا۔

مولانا محمد حنفی ندوی اس گروہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اصحاب الرای کی خدمت کا دائرہ بھی خاصا وسیع اور قابل قدر ہے۔اس گروہ نے قرآن وسنت کے فقہی مضمرات کی نشان دہی کی۔فکری اور کلامی نکتہ سینچوں کو نکھارا اور تعبیر وتشریح کے دائروں میں وسعت وعمق پیدا کیا۔یہ اس گروہ کا فیضان ہے۔کہ اسلام ایک مکمل اور منضبط نظریہ حیات کی شکل میں مدون ہوا۔ فھذه الآثار الصحيحة وما شاكلها عن أئمة السلف تدل على تحرجهم عن الكلام في التفسير بما لا علم لهم به فاما من تكلم بمايعلم من ذالك لغة وشرعا فلاحرج عليه ائمہ سلف سے یہ آثار صحیحہ جو منقول ہیں۔اُن کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تفسیر بیان کرنے میں حرج ہے جو علم کے بغیر بیان کی گئی ہے جہاں تک لغت اور شریعت پر مبنی تفسیر کا تعلق ہے اُس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

تفسیر بالرای کی مشہور کتب

مناع القطان نے اس مدرسہ فکر کی درج ذیل تفاسیر کا ذکر کیا ہے:۔

1۔ تفسیر ابی بکر عبدالرحمٰن بن کیسان۔ف240ہجری۔

2۔ محمد بن عبدالوہاب ۔ف 1303ھ۔

3۔ تفسیر عبدالجبار ابن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن خلیل القاضی ابو الحسن الہمدانی الاسد آبادی۔ف410ھ۔

4۔ تفسیر الزمخشری الکشاف عن حقائق غوامض التزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل،ابو قاسم جار اللہ محمود بن عمر،ف539ھ۔

5۔ تفسیر مفاتیح الغیب ،فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمرو بن حسین الرازی،ف 606ھ۔

6۔ تفسیر ابن فواک(مشہور متکلم ہیں)۔

7۔ الجامع الاحکام القرآن ۔ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ ۔ف67ھ۔

8۔ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوی عبداللہ بن عمر بن محمد۔ف 685ھ۔

9۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔المعروف تفسیر النسفی عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔ف701ھ۔

10۔ لباب التاویل فی معانی التاویل۔المعروف تفسیر خازن علاؤالدین ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم ف741ھ۔

11۔ البحر المحیط۔المعروف تفسیر ابن حیان،ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی الملقب اثیر الدین۔ف745ھ۔

12۔ غرائب القرآن درغائب الفرقان نظام الدین حسن بن محمد خراسانی النیسابوری ۔ف728ھ۔

13۔ تفسیر الجلالین جلا الدین المحلی۔ف 864ھ۔ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی ۔ف 911ھ۔

14۔ السراج المنیر۔ شمس الدین محمد بن محمد الشربینی الخطیب ۔ف 977۔

15۔ ارشاد العقل الی ضرایا الکتاب الکریم۔ ابو مسعود محمد بن محمد بن معطع۔ف 982ھ۔

16۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۔ابو الثناء شہاب الدین سید محمود آفندی آلوسی ف۔1270ھ۔

ان میں سے بعض کتب اور اُن کے مولفین کا تعارف درج ذیل ہے:۔

تفسیر قاضی عبدالجبار، المعروف تنزیہہ القرآن عن المطاعن قاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن خلیل فرقہ معتزلہ کے شیخ تھے۔ ان کے استاتذہ میں ابوالحسن بن سلمہ بن القطان اور عبداللہ بن جعفر بن فارس شامل ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ابو قاسم علی بن الحسن التنوخی الحسن۔بنعلی العمیری الفقیہ اور ابو محمد عبدالسلام القزدینی المفسر المعتزلی بہت مشہور ہیں۔ ان کی وفات 415ھ میں ہوئی۔

اس کتاب کے متعلق ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کہتے ہیں:۔

"اس میں سورۃ الحمد تاوالناس تک بیان ہے لیکن ہر آیت کی تشریح نہیں ہے۔ بلکہ یہ کتاب مختلف مسائل پر مبنی ہے۔ بعض سوالات خود کر کے ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس میں نحوی مسائل ہیں۔ پوری کتاب میں زیادہ تر توجہ اپنے معتزلی عقائد کی صداقت پر صرف کی گئی ہے۔ بعض اوقات غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات بھی آجاتے ہیں۔

معتزلہ کے عقائد کی مثال یہ بیان کی گئ ہے ۔معتزلہ آخرت میں رویئت باری تعالٰی کے قائل نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت:۔

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾

"جنھوں نے نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مذید زیادہ ہے"

کیا اس مراد رویئت باری تعالٰی نہیں ہے؟ جبکہ حدیث میں ہے قاضی کے مطابق زیادہ سے مراد ثواب میں اضافہ ہے۔ اس لئے آیت میں رویئت خداوندی مراد لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ رویئت خداوندی ان کے نزدیک (اہل سنت) ہر قسم کے اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے۔ پھر اس کے ذریعہ الحسنیٰ پر اضافہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کتاب تفسیر بالرائے مزموم کے ذکر میں آتی ہے۔

2۔ تفسیر الکشاف للزمخشری:۔

ابو القاسم محمود بن عمرالزمخشری اللغوی 467ھ میں زمخشر جو کہ خوارزم کی ایک بستی ہے، میں پیدا ہوئے۔ یاقوت حمویؒ نے بھی زمخشر کی بستی میں ان کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ سیوطیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ جاءاللہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مدت تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ اُنکے اساتذہ میں ابوالخطاب بن السطر ہیں۔ اور شاگردوں میں السلفی اور زینب الشعریۃ ہیں۔ اعتزال کے امام اور داعی تھے۔ نحوی، لغوی، المتکلم اور مفسر تھے۔ اُن کی کئی تصانیف ہیں۔ اُن کا انتقال 538 میں ہوا۔ ان کے متعلق ابن خلکان کہتے ہیں۔ اپنے وقت کا امام تھا۔ اعتزال کا اظہار کرتا تھا اور اس کا داعی تھا۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں معتزلی عقائد پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ لغت، ادب، اور بلاغت پر بہترین نمونہ ہے۔ حاجی خلیفہ کے مطابق اس کی تکمیل 528ھ میں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں:۔

زمخشری کو اپنی تفسیر پر ناز تھا۔ وہ خود یہ شعر دہرایا کرتے تھے:۔

إنّ التفاسير في الدنيا بلا عددٍ ** وليس فيها لعمري مثلُ (كشافي). إن كنت تبغي الهدى فالزم قراءته ** فالجهل كالداء والكشاف كالشافي

"دنیا میں بے شمار تفاسیریں ہیں۔ مگر میری زندگی کی قسم کشاف جیسی کوئی نہیں۔ اگر ہدایت کی طلب ہے تو اسے پڑھتے رہو، کیونکہ جہالت ایک بیماری ہے جس سے کشاف شفا دیتی ہے"

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی فرماتے ہیں:۔

"اگر اعتزال سے صرف نظر کر لیا جائے تو "الکشاف" ایسی کتاب ہے، جس کی طرف سبقت نہیں کی گئی۔ اور زمخشری جیسا کوئی آدمی نہیں۔ جو قرآن کے جمال اور اُس کے سحر بلاغت سے نقاب الٹ سکے۔ اُس نے لغت عرب اور اشعار کا بھی خیال رکھا ہے۔"

محمد حسین الذہبی نے اپنی کتاب میں ابن بشکوال حیدر الہروی، ابوحیان صاحب تفسیر البحرالمحیط، ابن خلدون اور السبکی وغیرہ کے "الکشاف" کے متعلق الفاظ قلمبند کئے ہیں جن میں وہ ان کی علمی کاوشوں کی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کے نظریہ اعتزال پر تنقید کرتے ہیں۔ قاضی احمد بن محمد بن منصور المنیر المالکی ف683ھ نے "الکشاف" پر حاشیہ لکھا۔ جس میں انھوں نے الکشاف میں خود معتزلی عقائد کا رد کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس کتاب کی درج ذیل خوبیاں بیان کی جاسکتی ہیں:۔

1۔ حشو وتطویل سے خالی ہے۔

2۔قصص واسرائیلیات میں بہت کمی ہے۔

3۔بیان معانی میں لغت عرب اور ان کے اسلوب کا خیال رکھا ہے۔

4۔اس کتاب میں علم معانی بیان اور بلاغت کے بڑے نکتے بیان کئے گئے ہیں۔

3۔تفاسیر مفاتیح الغیب للرازی:۔

مولف تفسیر ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین بن علی فخر الدین الرازیؒ544ھ میں پیدا ہوئے۔انھوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ کمال سمعانی اور مجد الجیلی سے علم حاصل کیا۔

السیوطیؒ نے انھیں محی السنۃ البغوی کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔جو کہ درست نہیں ہے۔کیونکہ محی السنۃ البغوی کی وفات 516ھ میں ہوئی جو الرازی کی پیدائش سے بھی قبل ہو گئی تھی جیسا کہ خود سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی غلطی سیوطیؒ سے کیسے ہوئی؟ یہ بڑے مشہور متکلم بھی ہیں ان کے متعلق ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

وبه تفسیر الکبیر و المحصول فی اصول الفقه وشرح الاسآء الحسنیٰ وشرح العضل لذمخشری وشرح الوجین للغزالی۔وشرح سقط الذند لابی الولید الهري

ان کی وفات 606ھ میں ہوئی۔

ابن قنفذ المقتطینی نے ان کی وفات 616ھ لکھی ہے جو کہ درست نہیں ہے اس کی تردید محقق نے ان کی ا پنی کتاب سے کردی ہے۔

تفسیر مفاتیح الغیب بڑی ضخیم تفسیر ہے۔اس کتاب میں انھوں نے ربط آیات کا خیال رکھا ہے۔علم کلام کے مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔وہ فلاسفہ کے اقوال نقل کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں۔اس میں معتزلہ کے عقائد پر بھی بحث وتنقید کی گئی ہے۔وہ مخالفین کے اعتراضات بڑی صراحت سے بیان کرتے ہیں۔لیکن بعض اوقات جواب کافی وشافی نہیں ہوتا۔اس لئے ان کی تفسیر کے متعلق صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں۔امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کو حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا پلندہ بنا دیا ہے وہ تفسیر ہے اس قدر دور نکل گئے کہ قاری اس کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں دب جاتا ہے۔

ابوحیانؒ کہتے ہیں۔امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بے شمار غیر ضروری باتوں کو یکجا کر دیا ہے۔اس لئے بعض علماء نے کہا ہے۔تفسیر کبیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔

امام راازیؒ تفسیر کبیر کو مکمل نہ لکھ سکے۔اس کی تکمیل شہاب الدین بن خیل دمشقی(ف 639) اور نجم الدین احمد بن محمد(ف729ھ) نے کی۔

تفسیر رازی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یونانی علوم نے کس طرح مسلمانوں کے عقائد پر اثر ڈالا۔اور مسلمانوں نے کس انداز سے اس کا جواب دیا۔انھوں نے اپنے دور کے عقلی

رجحانات سے بھی خوب پردہ اٹھایا ہے۔

4۔الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ:۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری خزرجیؒ اندلسی تھے۔آپ بڑے زاہد و عابد آدمی تھے۔آپ کے اساتذہ میں سے ابو العباس بن عمر قرطبیؒ مولف "المفہم فی شرح مسلم" اور مشہور محدث ابو علی حسن بن محمد البکری بہت مشہور ہیں۔

آپ کی کتب میں "الجامع لاحکام القرآن" کے علاوہ شرح الاسماء الحسنیٰ "کتاب التذکار فی افضل الاذکار" اور کتاب التذکرۃ بامور الآخرۃ" شامل ہیں۔آپ کی وفات 671ھ میں ہوئی۔

قرطبیؒ کی تفسیر چھپی ہوئی ہے۔ابن فرحونؒ اسی کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ بڑی نفع بخش تفسیر ہے۔اس میں قصص اور موضوعات نہیں ہیں۔مولف اسباب نزول،اقسام قرات اور اعراب پر بحث کرتا ہے۔لغت اور اشعار عرب کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔وہ ناسخ و منسوخ پر بھی تبصرہ کرتا ہے۔

قرطبیؒ اپنی تفسیر میں صوفیاء، معتزلہ، قدریہ، شیعہ اور فلاسفہ پر بہت تنقید کرتے ہیں۔اسرائیلی واقعات کا تذکرہ کم ہی کرتے ہیں۔ابن جریر طبریؒ اور ابن عطیہؒ جیسے مفسرین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔احکام سے متعلقہ آیات پر بھی تفصیل سے دلائل بیان کرتے ہیں۔

5۔انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی":

قاضی القضاۃ ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی الشافعیؒ ایران میں شیراز کی ایک بستی البیضاء سے تعلق رکھتے تھے۔آپ شیراز کے قاضی القضاۃ تھے۔آپ کی تصانیف میں تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی اور مختصر الوسیط فی الفقہ المسمیٰ الغایۃ شامل ہیں۔ان کی وفات 685ھ میں ہوئی۔الاستوی نے ان کی وفات 691ھ لکھی ہے۔

تفسیر بیضاوی مطبوع ہے یہ الکشاف کا مختصر ہے لیکن اس میں الکشاف کے معتزلی نظریات کا رد ہے۔اور اہل سنت کے عقائد کا اثبات ہے۔لیکن بعض اوقات بیضاوی بھی صاحب کشاف کی پیروی میں کچھ کہہ جاتا ہے۔جو عقائد اہل سنت کے خلاف ہے۔ایک تو سورتوں کے فضائل میں زمخشری کی مانند وہی موضوع احادیث بیان کر دی ہیں۔اور دوسری مثال اُس نے جن کے اثر نہ کرنے کی دی ہے۔یہ ہوبہو اس کی نقل ہے۔اس کی ان سے توقع نہ تھی۔

"صاحب کشف الظنون" اس تفسیر کے متعلق جو فرماتے ہیں۔اس کا خلاصہ یہ ہے اس تفسیر میں اعراب معانی تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔حکمت و کلام سے وابستہ معلومات تفسیر

کبیر سے لی گئی ہیں۔اشتقاق سے متعلق مسائل راغب الصفہانی سے ماخوذ ہیں۔

بیضاوی نے اپنی فکر سے اختراع کی ہے۔ اس کتاب کے چالیس سے زیادہ حواشی ہیں۔جن میں مشہور ترین تین ہیں۔

1۔حاشیہ القاضی زکریا 2۔حاشیہ السیوطی

3۔حاشیہ القوجوی۔

اس کتاب کا مطالعہ قرآن مجید کو صحیح سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

6۔مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف "تفسیر نسفی":۔

ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی بہت مشہور عالم تھے۔ ان کے اساتذہ میں سے الکروی اور احمد بن محمد العتابی بہت مشہور ہیں۔

ان کی تصانیف میں سے مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے علاوہ متن الوافی فی الفروع الکافی ۔۔کنزالد قائق فی الفقہ۔المنار فی اصول الفقہ،العمدۃ فی اصول الدین بہت معروف ہیں۔

نسفی کی نسبت نسف کے شہر کی طرف ہے۔جو کہ جیحوں اور سمرقند کے درمیان واقع ہے۔ آپ کی وفات 701ھ میں ہوئی۔

یہ کتاب الکشاف للزمخشری اور انوار التنزیل للبیضاوی کا اختصار ہے۔اور اس میں بہت سے عمدہ اضافے ہیں۔اس کتاب میں علم بلاغت کے نکتے علم قرات وجوہ اعراب اور اہل سنت کے صحیح نقطہ ء نظر کو پیش کیا گیا ہے اس کتاب میں فقہ کے مسائل بھی ہیں نحو کے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں۔اسرائیلیات کو بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔مثلاً قرآن مجید کی آیت:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِۦ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٤﴾ ...سورۃ ص

)"ہم نے سلیمان علیہ السلام کو امتحان میں ڈالا۔ اور ان کی کرسی پر ایک جسم کو ڈال دیا۔پر انھوں نے رجوع کیا"(

یہاں ایسی روایات نقل کی گئی ہیں۔جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت کے مخالف نہیں ہیں۔پھر لکھتے ہیں۔

وأما ما يُروى من حديث الخاتم والشيطان، وعبادة الوثن في بيت آل سليمان عليه السلام ضمن اباطيل اليهود

(حدیث خاتم اور شیطان اور سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت کی پوجا وغیرہ کے افسانے یہود کی اباطیل میں سے ہیں)۔

یہ طبع شدہ کتاب ہے اور بہت مفید ہے۔

7۔لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف "تفسیر خازن":۔

علاءالدین ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل الشیحی بغدادی المعروف خازن بغداد میں 678ھ میں پیدا ہوئے۔خازن کے نام سے اس لئے مشہور ہوئے کہ دمشق کے ایک کتب خانہ کے خازن تھے۔

بغداد میں ابن الدوالیبی سے اور دمشق میں آکر القاسم بن مظفر اوروزیر بنت عمر سے شرف تلمیذ حاصل کئے۔

ان کی تصانیف لباب التاویل فی معانی التنزیل شرح عمدۃ الاحکام اور مقبول المنقول ہیں۔ان کی وفات 741ھ میں ہوئی۔

ان کی تفسیر معالم التنزیل لبغوی کا مختصر ہے۔اور اس میں انھوں نے بعض اضافے بھی کئے ہیں۔جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

ولما کان ھذا الکتاب کما وصفت أحببت أن أنتخب من غرر فوائدہ ... لخلاصۃ منقولۃ متضمنا لنکتۃ وأصولہ مع فوائد نقلتھا لخصتھا من کتب التفاسیر

"جب یہ کتاب اسی طرح جس طرح میں نے بیان کیا، میں نے پسند کیا کہ اس کے عمدہ فوائد اور نایاب موتیوں کا انتخاب کروں گا جو اس کے نکات واصول کو اپنے اندر سمولے۔اور اس کے ساتھ میں نے بھی کتب تفاسیر سے فوائد اور نایاب چیزوں کو نقل کیا ہے۔"

ان کی کتاب میں بعض اسرائیلی روایات بھی ہیں۔جن پر کوئی تنقید نہیں کرتے مثلا آیت:

﴿إِذۡ أَوَى ٱلۡفِتۡيَةُ إِلَى ٱلۡكَهۡفِ فَقَالُواْ رَبَّنَآ ءَاتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحۡمَةٗ وَهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ أَمۡرِنَا رَشَدٗا ١٠﴾ ...سورۃ الکھف

"جب نوجوانوں نے غار میں پناہ پکڑ لی۔انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملے میں بھی راہنمائی دے (کی تشریح کرتے ہوئے عجیب واقعات نقل کئے ہیں۔جن کی صحت وسقم کا بالکل علم نہیں۔بلکہ محض اسرائیلی روایات ہیں۔اور پھر ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

تاہم تفسیر خازن میں تاریخی واقعات ہیں۔فقہی مسائل ہیں۔اور پھر اس میں مواعظ کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

8۔البحر المحیط لابی حیان:۔

اثر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی المعروف ابوحیان 654ھ میں پیدا ہوئے۔

ان کے اساتذہ میں سے مشہور عبدالنصیر بن علی مربوطی، ابو طاہر اسماعیل بن عبداللہ الملیجی اور شیخ بہاؤالدین ہیں۔خود فرماتے ہیں۔میں نے چار سو پچاس اشخاص سے علم حاصل کیا۔

آپ عظیم شاعر اور بغوی تھے۔ صرف ونحو میں یکتا روگار تھے۔ تفسیر، حدیث، تراجم، تراجم رجال میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے البحر المیحط تفسیر کے علاوہ غریب القرآن، شرح التسھیل، نہایۃ الاعراب، اور خلاصۃ البیان شامل ہیں۔ آپ ا صلی لغت کے عالم تھے۔ آپ کی وفات 745۔ میں ہوئی۔

ان کی تفسیر کا قرآن میں بڑا مقام ہے۔ مولف مفردات کے معانی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اور صرف ونحو کے علمی نکات پر بڑی بحثیں کرتے ہیں۔ اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ اور مختلف قراءتوں کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ قرآن کے بلاغی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ فقہی مسائل سے بھی اعراض نہیں کرتے۔ اور ائمہ سلف کے مذہب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا اختصار ابوحیان کے شاگرد تاج الدین احمد بن عبدالقادر (ف 745ھ) نے لکھا۔ معتزلہ کے رد میں بھی بہت سے مسائل ہیں۔ زمخشری پر بڑی تنقید کی گئی ہے۔ بلکہ بعض اوقات اعتزال کا بہت مذاق اڑاتے ہیں۔

.9 غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیشاپوری:۔

نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین القمی الخراسانی نیشا پوری المعروف "النظام الاعرج" نیشا پور کے شہر "قم" میں پیدا ہوئے۔ عربی زبان علوم عقلیہ ادب وانشاء اور علم تفسیر وتاویل میں عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ عابد وزاہد تھے۔ تصوف سے خاص شغف تھا۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

شرح الشافی لابن حاجب، شرح تذکرہ خواجہ نصر الدین طوسی (علم ہیت میں سے) رسائل فی الحساب کتاب اوقاف القرآن، لب التاویل اور غرائب القرآن وغائب الفرقان۔

ان کی وفات کا صحیح علم نہیں۔ بعض نے تفسیر کا اختتام 850ھ میں بنایا ہے۔ اسی لحاظ سے نویں صدی کے عالم ہیں۔ بعض نے وفات 728 ھ لکھی ہے۔

اس تفسیر میں مختلف فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ربط آیات بیان کرتے ہیں۔ یہ ربط انھوں نے تفسیر کبیر سے لیا ہے۔ پھر بڑے اچھوتے انداز میں معانی ومطالب بیان کرتے ہیں۔ فقہی مسائل پر بھی بحث کرتے ہیں۔ علم کلام کے مسائل کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔ اور مخالفین کے دلائل کی تردید کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں تصوف کا عنصر بھی ہے۔ اُن کی طرف شیعہ ہونے کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب شیعہ کی تردید کرتے ہیں۔ تفسیر کی علمی قیمت بہت زیادہ ہے۔

10۔ تفسیر الجلالین المحلی والسیوطی:۔

جلال الدین سیوطیؒ پر تفسیر الدر المنشور کے ذکر سے کلام ہوتا ہے جلال الدین محمد بن احمد ابن محمد بن ابراہیم المحلی الشافعی 791ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بدر محمود احقرائی۔ برہان بیجوری شمس اور علاء البخاری سے علم حاصل کیا۔ علم ومعقول میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ان کی تصانیف میں سے شرح جمع الجوامع فی الاصول شرح المنھاج فی فقہ الشافعیہ شرح الورقات فی الاصول اور تفسیر جلالین مشہور ہیں۔

آپ کی وفات 864ھ میں ہوئی۔

اس تفسیر میں دو مشہور امام جلال الدین محلیؒ اور جلال الدین السیوطیؒ شامل ہیں۔المحلی نے الکہف سے والناس تک تفسیر لکھی۔اور پھر الفاتحہ سے شروع ہوئی۔ان کا خیال پھر ادھر سے سورۃ الاسراء تک لکھنے کا تھا۔لیکن فرشتہ اجل کو لبیک کردیا۔پھر سورۃ البقرہ سے اسراء تک السیوطی نے لکھی۔اس طرح یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ یہ تفسیر نہایت جامع اور مختصر ہے۔دونوں اماموں نے بہت اچھی کوشش کی ہ۔اس کتاب پر مختصر حاشیے لکھے گئے ہیں۔جن میں حاشیہ الجمل اور حاشیہ الصاوی بہت مشہور ہیں۔ایک حاشیہ "قبس التنسریني" شمس الدین محمد بن العلقمی نے 952ھ میں لکھا ہے۔اور ایک مجالس حاشیہ ہے۔جسے نور الدین علی بن سلطان محمد القادری نے (ف1010ھ) میں لکھا ہے۔

11۔السراج المنیر للخطیب شربیني:۔

شمس الدین محمد بن محمد الشربیني الشافعیؒ الخطیب قاہرہ کے ساکن تھے۔انھوں نے شیخ احمد ابرلسی،النور المحلی البدر المشدی اور الشہاب الرملی سے کسب فیض کیا۔ آپ بہت متقی اور شب زندہ دار آدمی تھے۔آپ کی تصانیف میں سے "شرح لمنہاج" شرح کتاب البینہ اور السراج المنیر فی الاعانۃ علی معرفۃ بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر" بہت مشہور ہیں۔آپ نے 977ء میں وفات ہوئی۔

یہ تفسیر نہایت آسان فہم اور درمیانہ درجہ کی ہے۔یعنی نہ طویل اور نہ ہی بالکل مختصر۔انھوں نے اپنی تفسیر میں صحیح اور حسن احادیث کو ذکر کیا ہے۔انھوں نے ابن جریر الطبری ،زمخشری اور بیضاوی کی روایت کردہ بعض ضعیف حدیثوں کو ہد تنقید بنایا ہے۔ مولف تفسیری نکات بیان کرتے ہیں۔بعض فقہی مسائل پر بطور ضرورت تبصرہ فرماتے ہیں۔بعض اوقات اسرائیلی روایات بھی بغیر تبصرہ کے نقل فرمادیتے ہیں۔مولف نے تفسیر رازی سے بہت زیادہ حاصل کیا۔ نیز یہ کتاب مطبوع ہے۔اور اہل علم کے پاس موجود ہے اور قدیم تفسیروں کو اچھے انداز سے جمع کیا گیا ہے۔

12۔ارشاد العقل السلیم الی ضرایا الکتاب الکریم لابی السعود:۔

ابو السعود محمد بن محمد مصطفے العمادی الحنفی قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں 893ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا گھرانا علمی تھا۔والد صاحب اور دیگر اکابر سے کسب فیض کیا۔952ھ میں مسند افتاء پر متمکن ہوئے اور 982ھ میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

اس تفسیر میں بلاغت کے نقطے بیان کئے گئے ہیں جو پہلے کسی نے نہ بیان کئے تھے۔مولانا عبدالحئ لکھنوی نے اس سے استفادہ کیا۔مولف کتاب الکشاف اور بیضاوی کا بہت ذکر

کرتا ہے۔ان دونوں تفسیروں کے مطالعہ کا اس نے ذکر بھی کیا ہے۔

انھوں نے اہل سنت طریقے کے مطابق تفسیر لکھی۔اعتزال سے الگ رہے لیکن الکشاف اور بیضاوی کی وضعی روایات کو فضائل السور میں بیان کرتے ہیں۔جو کہ بالاتفاق موضوع ہیں۔مولف قرائت کا خیال رکھتا ہے۔اسرائیلی روایات کم بیان کرتا ہے۔بعض اوقات کلبی جیسی کذاب راویوں کی روایات کو بھی تفسیر میں جگہ دیتا ہے فقہی مسائل بھی تفسیر میں کم ہیں۔یہ کتاب طبع شدہ ہے۔

سوال نمبر 4: تفسیر الکشاف اور مجمع البیان کا تعارف کرائیے اور دونوں کے خصائص بیان کیجئے۔

ابن عربی کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے۔یہ بارہویں صدی کی عبقری شخصیت اور عظیم فلسفی، مفکر اور محقق ہیں۔عالم اسلام کے چند اہم دانشوران، مفکرین فلسفیوں اور صوفیاء میں سے ایک شیخِ اکبر ابن عربی ہیں۔

تقریباً 800 کتابوں کے مصنف ابن عربی کو صوفیاء نے ''شیخ الاکبر'' کا لقب دے رکھا ہے اور آج تک یہ لقب کسی اور کو نہیں مل سکا ہے۔آپ کے نام کے ساتھ ال نہیں لگایا جاتا کیونکہ آپ سے ایک صدی قبل ابن العربی کے نام سے ایک علمی شخصیت امام غزالی کے شاگرد قاضی ابو بکر ابن العربی اشبلیہ ہسپانیہ میں مشہور رہے ہیں۔دونوں شخصیات میں تمیز کرنے کی خاطر انہیں ابن العربی اور آپ کو ابنِ عربی لکھا جاتا ہے۔آپ کو ابن العربی صرف آپ کے لقب محی الدین کے ساتھ ہی لکھا۔ابن عربی کا پورا نام شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد ابن عربی الاندلسی الحاتمی الطائی ہے۔آپ حاتم طائی کی نسل سے تھے جو اپنی سخاوت کے باعث نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں آج تک مشہور و معروف ہیں۔بنی طے ایک قبیلہ تھا، حاتم اس قبیلے کا ایک سردار تھا جس کے دروازے سے کوئی سائل خالی نہیں جاتا تھا۔ویسے بھی عربوں میں مہمان نوازی بہت مشہور ہے۔ان روایات کو عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ لے گئے۔حاتم طائی کی اولاد میں سے ایک صوفی منش گھرانے نے اندلس میں آکر رہائش اختیار کر لی تھی۔ابن عربی کے دادا محمد اندلس کے قضاۃ اور علما میں سے تھے۔ابن عربی کے والد علی بن محمد فقہ اور حدیث کے آئمہ اور زہد و تصوف کے بزرگوں میں سے تھے۔والدہ انصار سے تعلق رکھتی تھیں، ابن عربی کے ماموں شیخ یحییٰ بن یغان اور ابو مسلم الخولانی دمشق کے ایک مشہور ولی اللہ تھے، ابن عربی کا صوفی منش گھرانہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ کتابِ مناقبِ غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادری لکھتے ہیں کہ ابن عربی کے والد علی بن محمد لاولد تھے۔حتّٰی کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہو گئی۔وہ حضرت غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔حضرت غوث نے حضورِ حق میں دعا فرمائی اور پھر بشارت دی کہ تیرے گھر ایک بچہ پیدا ہو گا، اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھنا ہے۔یہ بچّہ درجۂ عظیم اور رتبۂ عالی پائے گا۔ابن عربی 17 رمضان المبارک 560ھ (بمطابق 1165ء) میں اندلس یعنی اسپین کے ایک شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔جس وقت آپ کی پیدائش ہوئی اندلس میں خانہ جنگی کا ماحول تھا اور کوئی مستحکم حکومت نہیں تھی۔ابن عربی کے والد مرسیہ کے ہسپانوی الاصل حاکم

محمد بن سعید مرزنیش کے دربار سے متعلق تھے۔ ابن عربی ابھی آٹھ برس کے تھے کہ مرسیہ پر مؤحدون کے قبضہ کر لینے کے نتیجہ میں آپ کے خاندان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ آپ کے والد نے لشبونہ (حالیہ پرتگال کا دارالحکومت لزبن) میں پناہ لی۔ البتہ جلد ہی اشبیلیہ کے امیر ابو یعقوب یوسف کے دربار میں آپ کو ایک معزز عہدہ کی پیشکش ہوئی اور آپ اپنے خاندان سمیت اشبیلیہ منتقل ہو گئے، جہاں پر ابن عربی نے عام بچوں کی طرح تعلیم و تربیت پائی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا۔ ابن عربی کی ابتدائی تعلیم حسب دستور گھر پر اور دیگر مراحل آپ مرسیہ اور لشبونہ میں طے کر چکے تھے۔ اشبیلیہ میں آپ کو اپنے وقت کے نامور عالموں کی مجالس میں بیٹھنے کی سعادت ملی۔ تصوف، فقہ اور دیگر مروجہ دینی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ کا بہت سا وقت صوفیاء کی خدمت میں گذرنے لگا۔ اشبیلیہ میں آپ 598ھ تک رہے۔ اس دوران آپ حصول علم میں ہمہ تن مصروف رہے اور کئی علوم مثلاً قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، صرف و نحو، ریاضی، فلسفہ، نجوم، حکمت میں دسترس حاصل کی۔ آپ نے اپنے دور کے نامور اور اعلیٰ مقام اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ ادب، تاریخ، شاعری اور بعض دیگر علوم و فنون کا اکتساب ابو بکر محمد بن خلف بن صافی لخمی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن غالب شراط قرطبیؒ، ابو بکر محمد بن احمد بن ابی حمزہ سے کیا۔ حدیث اور دیگر دینی علوم کی تعلیم ابن زرقون انصاری، ابو حافظ ابن جد، ابوالولید حضرمی اور عبدالمنعم خزرجی وغیرہ سے حاصل کی۔ ابو محمد عبدالحق اشبیلی کے حلقۂ درس میں ایک عرصے تک شامل رہے۔ آپ کے مشائخ اور اساتذہ کی تعداد 70 تک پہنچتی ہے۔

ابن عربی بچپن ہی سے نیک اور صادق القول تھے اور بہت ذہین بھی تھے۔ ان کی ذہانت کا چرچا جلد ہی دور دور تک پھیل گیا تھا اور لوگ اکثر ان کو ملنے آنے لگے تھے۔ ابن عربی کی غیر معمولی صلاحیت اور علم کا چرچا اندلس میں پھیلنا شروع ہوا، تو مشہور فلاسفر اور قرطبہ کے قاضی القضاۃ ابن رشد نے ابن عربی کے والد جو ان کے دوست بھی تھے سے کہا کہ کسی وقت اپنے بیٹے کو میرے پاس بھیجیں۔ ابن شد، ابن عربی سے مل کر بہت متاثر ہوئے۔ ابتدائی عمر میں ابن عربی کا رجحان تصوف و تزکیہ کی جانب نہیں تھا۔ لیکن اس درمیان ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کی پوری زندگی کو بدل دیا۔ آپ کے والد وزیر ریاست تھے اور آپ کے خاندان کا شمار ملک کے باوقار لوگوں میں ہوتا تھا۔ اندلس کے صوبہ اشبیلہ کے حاکم کے یہاں شیخ ابن عربی کا اپنے والد کے ساتھ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ حصول علم کے بعد آپ پہلے پہل ڈیڑھ دو سال کا عرصہ سرکاری ملازمت میں بطور فوجی (الجندی) اور پھر کاتب (سیکرٹری) کے عہدے پر فائز ہوئے، جو دیوان سلطنت کا اہم عہدہ تھا۔ ابھی نوجوانی کی دہلیز میں داخل ہی ہوئے تھے جس وقت آپ کی عمر بیس برس کی تھی آپ اشبیلیہ کے کسی امیر کی دعوت میں مدعو تھے، جہاں پر آپ کی طرح دوسرے روساء کے بیٹوں کو بلایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد جب جام گردش کرنے لگا اور صراحی آپ تک پہنچی اور آپ نے جام کو ہاتھ میں لے کر پینا چاہ رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کی آواز ان کو سنائی دیتی ہے۔

نوجوان....! تمہارا کام شراب پینا اور اس طرح کی مجلسوں میں شرکت کرنا نہیں ہے۔" اس واقعہ کے بعد ابن عربی نے جام ہاتھ سے پھینک دیا اور پریشانی کے عالم میں دعوت سے باہر نکل آئے۔ دوروازے پر آپ نے وزیر کے چرواہے کو دیکھا، جس کا لباس مٹی سے اٹا ہوا تھا وہ بکریاں لیے چلا جا رہا تھا۔ آپ اس کے ساتھ ہو لئے اور شہر سے باہر جا کر اپنا شاہانہ

لباس اس چرواہے کو دیا اور اس کے بوسیدہ کپڑے پہن کر کئی گھنٹوں تک ویرانوں میں گھومتے رہے۔ دن اور رات ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے، اس دوران ان کے دل کی کیفیت بدل چکی تھی۔ اپنی صوفی منش طبیعت کے ہوتے شاہی ماحول سے آپ کا دل اچاٹ ہونے لگا تو آپ نے ملازمت سے ہاتھ اٹھالیا اور زہد و فقر کو اپنا شعار بنایا۔

آپ کے مرشد شیخ یوسف نے آپ کی سمت نمائی میں اہم کردار ادا کیا۔ تصوف میں اندلس کے بزگوں اور صوفیوں سے علم حاصل کرنے کے بعد انہیں احساس ہوا ہے کہ انہیں مزید علم کی ضرورت ہے چنانچہ ابن عربی نے حصولِ علم کی خاطر دور دراز کے سفر کیے، کئی علاقوں میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔

ابن عربی نے 590ھ (1194ء) میں پہلی بار اندلس کی سرزمین سے باہر کا سفر کیا۔ وہ اندلس سے نکل کر میں شمالی افریقہ پہنچتے ہیں۔ یہاں آپ کو ایسے صوفیا کی صحبت میسر آئی جنہوں نے آپ کی روحانی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ نے تونس میں ابوالقاسم بن قسی نامی صوفی کی کتاب خلع النعلین کا درس لیا۔ بعد میں آپ نے اس کتاب کی شرح پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا۔ اسی سفر کے دوران آپ کی ملاقات ابو محمد عبدالعزیز بن ابو بکر القریشی المہدوی کے ساتھ ہوئی، جن کی فرمائش پر آپ نے اندلس کے صوفیا کے تذکروں پر مشتمل اپنی کتاب روح القدس لکھی۔ اس کتاب میں پچپن صوفیا کا تعارف کرایا گیا، جن کے ساتھ آپ کا رابطہ رہا یا جن کے ساتھ آپ کا شاگردگی کا رشتہ تھا۔ شمالی افریقہ میں شیخ ابن عربی نے ایک خانقاہ قائم کی ۔ دو سال کے عرصے میں وہاں ان کا ایک بڑا حلقہ بن گیا۔

اندلس کے ساتھ آپ کا رابطہ بحال تھا کیونکہ آپ کے والدین، قریبی عزیز و اقارب وہاں مستقل رہائش پذیر تھے۔ ابن عربی کو جلد ہی اندلس لوٹنا پڑا، جس کا سبب آپ کے والد کی وفات تھی۔ اندلس واپسی کے راستے میں ابن عربی مریہ کے مقام پر، جہاں پر ابن عریف (مصنف محاسن المجالس) نے صوفیوں کے لئے تربیتی دائرہ قائم کر رکھا تھا پہنچے، یہاں آپ نے اپنی کتاب مواقع النجوم صرف گیارہ روز کے اندر تصنیف کی۔ یہاں سے آپ آبائی وطن مرسیہ پہنچے۔ وہاں والد کی جائیداد کو فروخت کر کے آپ اشبلیہ پہنچے اور چند برس گھر والوں کے ساتھ رہے۔

آپ پر گھر بار کی ذمہ داری آن پڑی تھی ہر طرف سے ابن عربی پر زور ڈالا جانے لگا کہ وہ ریاست کی ملازمت اختیار کر لیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ اپنی والدہ اور دو بہنوں کے ساتھ فاس (مراکش) آگئے اور وہیں اپنی بہنوں کی شادی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ چند سال کے بعد ابن عربی کی والدہ بھی واصل بحق ہو گئی۔

اس کے بعد اپنی دیرینہ خواہش مکہ مکرمہ کی زیارت کے بارے میں سوچنے لگے۔ والدہ اور بہنوں کی ذمہ داری کے سبب اس خواہش کو ملتوی کرتے رہے تھے۔ 596ھ (1199ء) میں ابن عربی نے اندلس سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا وہ براستہ بجایہ (الجزائر)، تیونس، مصر، القدس (یروشلم) سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے اور تقریباً دو سال وہاں قیام کیا۔ اس دوران وہاں کے علمی اور مذہبی حلقوں میں آپ کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہلچل پیدا ہوئی۔ ابن عربی کی تصنیفی سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ

آپ نے اس دوران میں اپنی کتاب روح القدس کے مسودے کو مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ تین دوسری کتابیں (مشکوۃ الانوار، حلیۃ الابدال اور تاج الرسائل) تحریر کیں۔ انہوں نے ایک معرکۃ الآراء کتاب الفتوحات المکیہ تصنیف کی۔ یہ تصنیف آپ نے 599ھ میں لکھنا شروع کی۔ جس کی تکمیل 28 برس بعد 627ھ میں ہوئی۔ یہ کتاب 37 جلدوں، 560 ابواب پر مشتمل ہے۔ عبدالوہاب الشعرانی (المتوفی 973ھ) نے فتوحات مکیہ کا خلاصہ لواقع الانوار القدسیہ المنتقاۃ من الفتوحات المکیہ کیا۔ اس خلاصہ کا خلاصہ بعنوان الکبریت الاحمر من علوم الشیخ الاکبر بھی ہوا

سوال نمبر 5: تفسیر کے فقہی رجحان کو بیان کیجئے اور تفسیر قرطبیؒ کے تعارف وخصائص کو زیر بحث لائیے۔

قرآن مجید، فرقان حمید ابدی اور سرمدی تعلیمات کا مجموعہ اور احکام خداوندی کا مآخذ ہے، جو ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل کامیابی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہ وہ اعجاز قرآن ہے جس سے دوسری الہامی کتب بھی محروم ہیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کا اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے بندوں سے کیا گیا آخری خطاب ہے۔ اس لیے علمائے امت کی یہ اہم ذمہ داری رہی ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی فرمائیں۔

اسی لیے دور رسالت سے لے کر عصر حاضر تک ہر دور میں علماء نے قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کو اپنا نصب العین بنایا۔ کلام الٰہی کی ہر آیت یکتا و بے مثل ہے۔ ترتیب اور شستگی الفاظ، بیان کی خصوصیات، سورتوں کا غیر معمولی آغاز و اختتام، آیات کی روانی، بے نظیر افکار رسانی، لفظ و معنی کا حسین امتزاج سب کچھ کیف آور اور وجد آفریں ہے۔ کلام اس قدر جامع اور وسیع الامعنی ہے کہ کسی بھی زبان میں اس کے حتمی ترجمہ اور تفسیر کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

الفاظ و آیات کی مفصل تفسیر تو ممکن ہے لیکن ان کے معنی و مفہوم کا ہمہ جہت اور مکمل احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ تاہم گزشتہ چودہ صدیوں میں سو سے زیادہ زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم ہوئے ہیں اور کم و بیش دو صدیوں میں صرف اردو زبان میں ایک ہزار کے قریب اردو تراجم قرآن ہو چکے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کی اردو زبان میں پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی کا 1776ء اور دوسرا شاہ عبدالقادر کا 1790ء کا ہے۔ کئی محقق یہ بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلا اردو ترجمہ 1131ء میں ''تفسیر ہندی'' قاضی محمد معظم سنبھلی کا ہے۔

اس کے بعد 1185ء میں ''تفسیر مرادیہ'' کے نام سے مراد اللہ انصاری نے کیا۔ تاہم زیادہ تر محقق شاہ رفیع الدین کے ترجمے کو ہی پہلا اردو ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ اردو میں قرآن حکیم کے ترجمہ تفسیر کی شاندار روایت کی حامل ایک قابل تحسین کاوش جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری جنہیں ان کے عقیدت مند ضیاءالامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ایک نابغۂ روزگار اور ہشت پہلو شخصیت تھے۔ ایک جید عالم دین، عظیم مفسر قرآن، منفرد سیرت نگار، صاحب نظر صوفی تھے۔ دینی تعلیم و تدریس، صحافت، قانون، اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں انہوں نے یادگار نشانیاں چھوڑی ہیں۔ وہ یکم جولائی 1918ء کو بھیرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں سکول داخل ہوئے۔ 1936ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

1941ء میں بی اے کیا اور اسی سال اورینٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی میں عربی میں داخلہ لیا اور اس کے امتحان میں پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ 1951ء میں مصر کی عالمی شہرت یافتہ جامعہ الازہر چلے گئے اور وہاں سے ایم اے اور ایم فل نمایاں پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ ساڑھے تین سال بعد الازہر سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس وطن تشریف لائے تو اپنے آبائی علاقہ میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی اور اس کے نصاب کو معاصر دنیا کی ضروریات اور چیلنجز کے تناظر میں از سر نو ترتیب دیا۔ انہوں نے اپنی خانقاہ کو روحانی مشاغل کے ساتھ علمی مرکز بھی بنایا۔ 1971ء میں پیر کرم شاہ صاحب نے دینی صحافت کے میدان میں رجحان ساز رسالے ''ضیائے حرم'' کا اجراء کیا۔ 1974ء میں ضیاءالقرآن پبلی کیشنز لاہور کا ادارہ قائم کیا۔ 1970ء کے عشرے سے ذرا پہلے یا اس کے شروع میں ہی انہوں نے اپنی تفسیر قرآن ''ضیاءالقرآن'' کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر قرآن 19 سال کی مسلسل شب و روز سعی سے مکمل ہوئی۔ ''ضیاءالقرآن'' 3500 صفحات اور 5 جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ اپنی متعدد خوبیوں کی بنیاد پر عصر حاضر کی اہم ترین تفسیر قرار دی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ تفسیری ادب میں ایک شاندار اور منفرد اضافہ ہے۔

اس تفسیر قرآن کو ہمارے تفسیری ادب و روایت میں اہم ترین تفاسیر کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری نے بطور خاص تفسیر ابن کثیر، بیضاوی، قرطبی، اور تفسیر مظہری سے استفادہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر تفسیر رازی اور تفسیر روح المعانی سے مباحث اخذ کیے گئے ہیں۔

''ضیاءالقرآن'' میں ضیاءالامت نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید کے متن کے مرکزی پیغام کے قریب رہنے کی کوشش کی ہے اور علمی موشگافیوں پر مبنی تفسیری مباحث سے اجتناب کیا ہے۔ اس میں پیر صاحب نے عام قاری کے فہم کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور علماء کے ذوق کی آبیاری بھی کی ہے۔

جسٹس پیر کرم شاہ نے اس تفسیر میں قرآن حکیم کے اہم الفاظ کی لغوی اور نحوی تحقیقات کا بھی خاص اہتمام کیا ہے۔ یہ فہم قرآن کے لیے بڑی اہمیت کی حامل تحقیق ہے بلکہ یہ لسانی ذوق کی دلیل بھی ہے۔

ضیاءالامت کی تفسیر ضیاءالقرآن علمی مضامین کے ساتھ ساتھ روحانی مباحث سے بھی مملو ہے۔ وہ جا بجا اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہیں اور تلقین غزالی کا اسلوب اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس اعتبار سے پیر کرم شاہ الازہری نے ایک صاحب نظر شیخ طریقت کے طور پر قرآن کے متن سے تصوف کی علمی اساس کو واضح کیا ہے۔ ایسے مقامات پر وہ بالعموم

تفسیر مظہری اور روح المعانی کے علاوہ علامہ اسماعیل حقی کی روح البیان سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ مزید برآں تصوف کی اصطلاحات، بنیادی کتب نیز مولانا روم اور علامہ اقبال کے اشعار سے بھی تصوف کے اپنے مضامین کو واضح کرتے ہیں۔

ضیاء القرآن کی مذکورہ بالا عمومی خصوصیات کے علاوہ ایک اہم ترین خصوصیت وہ مباحث اور مضامین ہیں، جو عام طور پر تفاسیر قرآن میں نظر نہیں آتے۔ مفسر قرآن پیر صاحب نے قرآنی صورت کو معاصر دنیا کی صورت حال سے جوڑ کر دیکھا ہے اور قرآن پاک کی تفسیر میں عصر جدید کے سوالات کے جواب بھی تلاش کیے ہیں۔ ضیاء القرآن کی پانچوں جلدوں کے آخر میں مطالب کے عنوان سے مضامین کا انڈیکس دیا گیا ہے اور ان قرآنی آیات کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے تحت ان مباحث پر قرآنی نکتۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اس فہرست مضامین میں ہمیں جہاں اسلامی عقائد و اعمال، توحید و رسالت، قیامت اور اوامر و نواہی نیز احکامات دین کے حوالے سے عنوان نظر آتے ہیں۔ انبیاء اکرام کے قصص، کفار و مشرکین کی خرابیوں، مومنین و متقین کا تذکرہ ہے۔ اصحاب رسول اور اہل بیت اطہار کا تعارف ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے موضوعات ہیں وہیں کچھ منفرد عنوانات بھی ہیں جو بہت جاذب نظر اور توجہ کھینچنے والے ہیں۔ ان عنوانات پر نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عصری فہم و شعور کے حامل صوفی نے قرآن حکیم کی ہدایت کو کن کن زاویوں سے دیکھا ہے۔

1۔ انسان اور اس کی عظمت کا قرآنی تصور

2۔ عورت اور اس کے حقوق

3۔ شریعت اسلامیہ کی امتیازی خصوصیات

4۔ معاشیات

5 سیاسیات

6۔ اسلامی اخلاق و آداب

ان عنوانات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مفسر قرآن پیر کرم شاہ الازہری معاصر دنیا کے اہم مباحث سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس بارے میں قرآن مجید سے اخذ ہدایت کا ایک واضح تصور رکھتے ہیں۔ اگر آپ مذکورہ عنوانات کے تحت پیر صاحب کے بیان کردہ تفسیری نکات کو دیکھیں تو آپ کو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ پیر صاحب معاشیات و سیاسیات کے معاصر مباحث سے بھی پوری واقفیت رکھتے ہیں اور ان پر قرآنی موقف کو بڑی صراحت اور قابل فہم دلائل سے بیان کرتے ہیں

جسٹس محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر میں ان مقامات و مسائل کی تفسیر کا بھی خاص اہتمام کیا ہے جن پر مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے یا جن کی بنیاد پر بریلوی مکتب فکر کی طرف شرک یا بدعت کی نسبت کی جاتی ہے۔ایسے مقامات و موضوعات پر ضیاءالامت نے قرآن مجید پر براہ راست تفکر سے کوئی رائے قائم کرنے کی بجائے کسی روایت یا تفسیری قول کو ہی اپنی ترجیح کی بنیاد بنایا ہے۔اس تناظر میں انہوں نے معاصر تفاسیر سے وسعت قلبی سے استفادہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ''ضیاءالقرآن''ایک منفرد تفسیر ہے جسے ایک صاحب طرز ادیب، دینی علوم کے ماہر، ایک نابغہ عصر مفکر اور صاحب دل صوفی نے لکھا ہے اور قرآن کی جامعیت و وسعت کو معاصر ذہن کے لیے قابل فہم بنایا ہے۔ان سب پر مستزاد یہ کہ پیر صاحب، سید کائنات، صاحب قرآن سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے اس کی جھلک بھی اس کی سطر سطر میں جھلکتی نظر آتی ہے۔یہ وہ تفسیر ہے جس سے پیر کرم شاہ الازہری کی عظمت بھی نمایاں ہوئی۔ محترم طالب ہاشمی نے اس تفسیر کے بارے بالکل درست تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''تفسیر ضیاءالقرآن میں ترجمہ کا انداز بے مثل و بے نظیر ہے اور قرآن پاک کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ کو سمجھنے کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں حق تعالی نے خود پیر کرم شاہ کی رہنمائی فرمائی۔ تفسیر کا انداز بیان نہایت دلنشین اور اثر انگیز ہے اور پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ علم و حکمت کی ایک جوئے رواں ہے جو مسلسل بہہ رہی ہے اور ہر شخص اس سے بقدر ظرف استفادہ کر سکتا ہے''

امتحانی مشق نمبر2

سوال نمبر1۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تفسیر قرآن کے مصادر و مآخذ اور مکتوبہ تفاسیر کو بیان کیجئے۔

لفظ "تفسیر" کا مادہ فسر سے ہے جس کے معنی ہیں ظاہر کرنا، کشف کرنا، بند چیز کو کھولنا، تشریح کرنا، توضیح و تفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا۔اصطلاحی اعتبار سے تفسیر کے معنی ہیں قرآن مجید کی تشریح، توضیح کرنا۔اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطالب ظاہر کرنا ہے۔قرآن فہمی کے علم کو رسول اللہ ﷺ نے بہترین علم قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کی اہمیت کا درج ذیل پہلوئوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ا۔ قرآن مجید معلومات و معارف کا خزانہ ہے ایسے کلام کی تفسیر و تشریح کرنا لازم ہے تاکہ اسے سمجھا جائے۔

۲۔ فہم قرآن میں پیش آنے والی دشواریوں کا ازالہ صرف تفسیر سے کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ابہام پایا جاتا ہے اس ابہام کو صرف تفسیر سے دور کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کے اجنبی و غیر مانوس الفاظ فہم قرآن کی مشکلات میں سے "غریب الفاظ کی عدم معرفت" ایک مشکل ہے اس مشکل کو صرف ان الفاظ کی تفسیر سے دور کیا جا سکتا ہے

۵۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کی کتاب ہے اس کی آیات وقت کے ہر مسئلہ اور زمانے کی ہر اجتماعی و انفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر رکھے ہوئے ہیں۔ان کو سمجھنے کے لیے مسلسل غور و فکر اور تدبر و تفکر کی ضرورت ہے۔

۶۔ قرآن مجید میں لوگوں کے ہر طبقہ کے مسائل و احکام بیان ہوئے ہیں جن میں سے کچھ تو تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور کچھ کی طرف صرف اشارۃً جزئیات بیان کی گئی ہیں انہیں سمجھنا ضروری ہے۔

۷۔ قرآن مجید نے اپنے بندوں کے لیے ہر طرح کی تعلیمات بیان فرمائی ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔اور یہ کام صرف قرآن مجید کی تفسیر کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۸۔ مسلمانوں کے تمام مصائب اور مشکلات کا بنیادی سبب قرآن مجید کے رہنما اصولوں سے ناواقفیت ہے۔ان اصولوں سے واقفیت صرف قرآنی آیات کی تشریحات سے حاصل ہو سکتی ہے۔

انسانوں کے لیے تفسیر قرآن کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مفسر شارح بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔اس طرح قرآن مجید کی تفسیر و توضیح کا حق رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا کہ آپؐ اپنے اقوال، احوال اور افعال سے قرآن مجید کی تشریح فرمائیں۔ گویا قرآن مجید کی تفسیر کرنا آپ کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم اور اولین ذمہ داری تھی۔آپؐ نے تو اپنی زندگی کو قرآن مجید کے رنگ میں رنگ لیا تھا اسی حقیقت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "کان خلقہ القرآن" اسی بناء پر آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے فکر و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔اس لیے سمجھنا چاہیے کہ محض تدبر اور تفکر انسانی فہم قرآن کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت تفسیر کی سمجھ بوجھ بھی درکار ہے۔

تفسیری ارتقاء کا پہلا مرحلہ عہدِ نبوت، عہد صحابہ اور تابعین پر مشتمل ہے۔اس مرحلہ میں قرآنی آیات کی تفسیر کرنے کے لیے قرآن ہی کی دوسری آیات اور احادیث کو روایت کے طرز پر بیان کیا جاتا تھا۔اس طرزِ تفسیر کو عرف عام میں تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ تفسیر ابی بن کعبؓ، تفسیر عبداللہ بن عباسؓ، تفسیر سعید بن جبیرؒ، تفسیر ابی العالیہؒ اس

دور کی مشہور و نمائندہ تفاسیر ہیں۔ تابعین حضرات علم حدیث کی طرح علم تفسیر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے حاصل کرتے تھے یہ لوگ صرف منقول پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی رائے بھی اختیار کرتے تھے۔

دوسرا مرحلہ تبع تابعین کی تفسیری کاوشوں پر مشتمل ہے۔ اس دور میں ایک طرف باطل فرقے، معتزلہ، قدریہ اور سبائیت وغیرہ اپنے فاسد اور باطل نظریات پھیلا رہے تھے اور دوسری طرف یونانی فلسفہ اذہان و قلوب کو مسموم کر رہا تھا۔ مزید برآں ملحدین کا ایک طبقہ بھی تھا جو قرآن پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہا تھا۔ چنانچہ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ایسی تفاسیر تالیف کی گئیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی تفاسیر اور صحابہؓ و تابعین کے اقوال کو جمع کیا گیا۔ لیکن اس دور میں پھیلنے والے اعتقادی اور نظریاتی فتنہ کی روک تھام کے لیے صرف تفسیر بالماثور کا اہتمام کافی نہ تھا بلکہ معتبر دلائل سے باطل فرقوں کے نظریات اور ان کے اعتراضات و شبہات کی تردید بھی درکار تھی جس کے لیے سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں فرق باطلہ کی تردید میں قلم اٹھایا گیا اور ان باطل نظریات کی تردید کی گی۔ تفسیر کے مختلف مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر نویسی کے تیسرے مرحلے یعنی دوسری صدی ہجری میں فن تفسیر اور اس کے متعلقات پر ساٹھ سے زیادہ کتب تالیف ہوئیں ہیں۔

تیسرے مرحلے میں تفسیر نویسی نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کرلی۔ اب ایک ایک سورۃ یا چند آیات کی تفسیر کے بجائے پورے قرآن کی تفسیر ہونے لگی۔ اس مرحلہ میں مرتب ہونے والی تفاسیر کو بھی تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان تفاسیر میں احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ان مفسرین میں ابن ماجہؒ، ابن جریرؒ طبری، ابو بکر بن منذر نیشاپوریؒ، امام حاکمؒ اور ابو بکر بن مردودؒیہ جیسے جلیل القدر علماء شامل ہیں۔ پھر یہی اسالیب یا رجحانات تفسیر میں وسعت کا سبب بنے اور نتیجہ کے طور پر کئی اسالیب سامنے آئے۔ جو شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں سات بیان کیے ہیں اور ڈاکٹر محمد حسین ذہبیؒ نے انہی رجحانات کو اپنی کتاب "التفسیر والمفسرون" ہیں بیان کیا اور ان پر دو اور رجحانات کا اضافہ کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ جس نے بھی تفسیری رجحانات کو بیان کیا ہے اس نے ان ہی کے متعین کردہ اسالیب کو اپنے اپنے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب تفسیر بالماثور ہے۔ اس تفسیر میں مفسر آیات سے مناسبت رکھنے والے آثار و روایات بیان کرتا ہے۔ خواہ وہ مرفوع ہوں یا موقوف۔ اس طرح اثری اسلوبِ تفسیر کی درج ذیل ذیلی صورتیں ہیں۔

ا۔ قرآن میں بعض مضمون انتہائی مختصر دیئے ہوئے ہیں جبکہ دوسری جگہ وہی مضمون قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے قصہ آدمؑ و ابلیس، قصہ موسیٰؑ و فرعون وغیرہ۔ اور بعض مجمل اشارے کو کسی دوسری آیت میں واضح کیا جاتا ہے۔ تفسیر قرآن کا سب سے بہترین یہ اسلوب ہے۔ اسے عموماً تفسیر قرآن بالقرآن کہتے ہیں۔

۲۔ قرآن کی آیات کے بیان میں آپ ﷺ کا بیان کردہ معنی و مفہوم دوسرے تمام مفاہیم سے بہتر، قابل عمل اور جامع ہے۔ گویا قرآن کی جو تفسیر خود اللہ نے فرمائی ہے اس کے بعد تفسیر رسول اللہ ﷺ کا درجہ ہے۔ یہ اسلوب تفسیر بالماثور کے پہلے اسلوب کی طرح قابل قبول اور قابل اعتبار ہے بشرطیکہ احادیث میں ضعف نہ پایا جاتا ہو۔

۳۔ جمہور مفسرین کے نزدیک صحابہؓ کے اقوال قابل اتباع ہیں۔ کیونکہ وہ براہِ راست حضور ﷺ کی صحبت سے مستفید اور اخلاق نبوی ﷺ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ جمہور علماء کے ہاں صحابہ کرامؓ کے اقوال بمنزلہ ان روایتوں کے ہیں جو حضور اکرم ﷺ تک مرفوع ہوں۔ اس طریقہ تفسیر کو تفسیر بالا قوال الصحابہؓ کہتے ہیں۔

۴۔ تفسیر بالماثور کے اسالیب میں سے چوتھا اسلوب یہ ہے کہ تابعینؒ حضرات کے اقوال سے قرآنی آیات سے تفسیر و توضیح کی جائے۔ مشہور تابعین مفسر قرآن میں سعید بن جبیرؒ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، عطا ابن ابی رباح، حسن بصریؒ، مسروق بن الاجدعؒ، سعید بن االمسیبؒ، ابوالعالیہؒ ؒ، ربیع بن انسؒ اور ضحاک بن مزاحم وغیرہم ہیں۔

۵۔ تبع تابعین سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے تابعین کرام سے استفادہ کیا اور ان کے علمی وارث ٹھہرے۔ ان لوگوں نے تفسیر القران پر باقاعدہ کتب تالیف کیں جن میں اقوال صحابہؓ جمع کیے۔ یعنی تفسیر باالا قوالِ تبعہ تابعین۔

۶۔ قرآن کی تفسیر اسرائیلی روایات کے ذریعے بیان کرنا۔ علماء نے ان روایات کو تین اقسام بیان کی ہیں۔

پہلی قسم کی وہ روایات ہیں جن کی صداقت پر اسلام میں دلائل و شواہد موجود ہیں۔ اس قسم سے متعلقہ روایات صحیح اور مقبول ہیں۔ دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جو درایتی معیار پر پورا نہیں اترتیں ایسی روایات کے متعلق حکم ہے کہ ان روایات کو نہ قبول کیا جائے اور نہ ہی آگے روایت کیا جائے۔ تیسری روایات وہ ہیں جن کے مضامین سے کوئی دینی یا دنیوی منفعت حاصل نہیں ہوتی۔ ان روایات کی تکذیب اور تصدیق نہیں ہو سکتی۔

سوال نمبر2۔ تفسیر بالماثور کے ذیلی اسالیب کو مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیجئے۔

ایسی تفسیر جس میں تفسیر بالماثور والمنقول پر کفایت کی جائے۔ یعنی قرآن وسنت اقوال صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین اور تابعینؒ سیر و تاریخ کی مستند روایات کو ہی مد نظر رکھا جائے۔ اس قسم کی تفسیر کو تفسیر منقول بھی کہتے ہیں۔

اس مکتب فکر کے حامل افراد کا یہ کہنا ہے کہ قرآن مجید خود کئی مقامات پر اپنی تشریح کرتا ہے۔ اسی طرح جس بات کو جاننے کی ضرورت تھی۔ یا جو بات شرح طلب تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی۔ اس پر مزید صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین و تابعینؒ نے بیان فرمایا۔ ان کے بعد مزید بحثوں میں پڑنے سے ایمان کے نقصان کا خطرہ ہے۔ اس مدرسہ فکر کے حامل حضرات کو اصحاب الحدیث بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی خود شرح کی قرآن مجید میں بے شمار مثالیں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ ... سورۃ البقرۃ

"پس سیکھ لیں آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں۔پس پھر آیا اور اس کے تحقیق وہ پھر آنے والا ہے مہربان۔"

ان کلمات کی وضاحت جو حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے۔قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر اس طرح سے ہے۔:

﴿قالا رَبَّنا ظَلَمنا أَنفُسَنا وَإِن لم تَغفِر لَنا وَترحَمنا لَنكونَنَّ مِنَ الخـٰسرين ﴿٢٣﴾ ...سورۃ الاعراف

"کہا دونوں نے اے ہمارے رب ظلم کیا ہم نے جانوں اپنی کو اور اگر نہ بخشے گا تو ہم کو اور نہ رحم کرے گا تو ہم کو البتہ ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے۔"

اسی طرح تفسیر القرآن بالقرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنّا أَنزَلنـٰهُ فى لَيلَةٍ مُبـٰرَكَةٍ إِنّا كُنّا منذرين ﴿٣﴾ ...سورۃ الدخان

"تحقیق اتارا ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں، تحقیق ہم ہیں ڈرانے والے۔"

لیلۃ مبارکہ کی توضیح اس طرح سے خود ہی قرآن نے بیان کی ہے:

﴿إِنّا أَنزَلنـٰهُ فى لَيلَةِ القَدرِ ﴿١﴾ ...سورۃ القدر

"تحقیق ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں نازل کیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کائنات ارضی پر قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن مجید تھا۔"

کئی آیات قرآنی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر بیان فرمائی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مفاتح الغيب خمسة " ثم قرأ هؤلاء الآيات (إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلمُ السّاعَةِ) إلى آخرها.

"غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت إِنَّ اللَّـهَ عِندَهُ عِلمُ السّاعَةِ کی تلاوت فرمائی۔"

اس بات کو ایک اورحدیث میں اس طرح سے بیان کیا ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال "مفاتیح الغیب خمس لایعلمھا إلا اللہ: لایعلم ما في غد إلا اللہ، ولا یعلم ما تغیض الأرحام إلا اللہ، ولا یعلم متی یأتي المطر أحد إلا اللہ، ولا تدري نفس بأي أرض تموت، ولا یعلم متی تقوم الساعة إلا اللہ

"غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا۔رحم جو کمی کرتے ہیں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بارش کب ہوگی؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کو موت کہاں مل جائے گی۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا قیامت کب ہوگی۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"غیب کی پانچ چابیاں ہیں (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی):

﴿إِنَّ اللّٰہَ عِندَہُ عِلمُ السّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الغَيثَ وَيَعلَمُ ما فِي الأَرحامِ وَما تَدري نَفسٌ ماذا تَكسِبُ غَدًا وَما تَدري نَفسٌ بِأَيِّ أَرضٍ تَموتُ إِنَّ اللّٰہَ عَليمٌ خَبيرٌ ﴿٣٤﴾ ...سورۃ لقمان

"اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کب آئے گی۔اور وہی پانی برساتا ہے،اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔اور کسی کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔اور کوئی نہیں جانتا وہ کس ملک میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جانتا ہے اُسی کو خبر ہے۔"

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں آنحضرت نے جو تشریح کی ہے وہ واضح ہے۔ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،جب یہ آیت اتری:

﴿الَّذينَ ءامَنوا وَلَم يَلبِسوا إيمٰنَهُم بِظُلمٍ... ﴿٨٢﴾ ...سورۃ الانعام

"جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم نہیں ملایا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کو یہ بات بہت گراں گزری اور کہنے لگے ہم میں سے کون ہے جس نے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا ہو،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،بات یہ نہیں ہے۔پھر فرمایا کہ کیا تم کو حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت کا علم نہیں کہ:

﴿إِنَّ الشِّركَ لَظُلمٌ عَظيمٌ ﴿١٣﴾ ...سورۃ لقمان

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں قسم کی تفسیریں یعنی تفسیر القرآن بالقرآن یا تفسیر القرآن بالسنۃ اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں۔خدا خود ہی اپنے کلام کو ہر ایک سے بہتر سمجھتا ہے۔اوپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا وہ ہر لحاظ سے اس کی تفسیر کے ماہر تھے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنزَلنا إِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنّاسِ ما نُزِّلَ إِلَيهِم... ﴿٤٤﴾ ...سورۃ النحل

"ہم نے آپؐ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپؐ لوگوں کو واضح کر کے بتادیں جو اُن پر نازل ہوا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کا درجہ ہے جو پوری امت میں ہر لحاظ سے افضل لوگ تھے۔ قرآن مجید کی جو تشریح اور تفسیر ان کی زبان سے نکلی اس کے ثقہ اور صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ۔کیونکہ ان کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں:

ان تفسیر الصحابي الذي شهد الوحي والتنزيل له حکم المرفوع

صحابی کو تفسیر کو جو وحی اور تنزیل کے وقت موجود تھا، مرفوع کا حکم ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی بیان کردہ تفاسیر کی مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ...سورة ق

"وہ جو لفظ بھی بولتاہے اس کے پاس نگران منعقد ہوتا ہے۔"

تو انھوں نے فرمایا:

إنما يكتب الخير والشر لا يكتب يا غلام أسرج الفرس ويا غلام اسقني الماء بل يكتب الخير والشر

"خیر اور شر لکھی جاتی ہے ۔یہ نہیں لکھا جاتا اے غلام گھوڑے پر زین ڈال۔اے غلام مجھے پانی پلا۔بلکہ نیکی اور بدی لکھی جاتی ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَـٰبٍ ...﴿٤٨﴾ ...سورة العنکبوت

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے"

تفسیر یہ مروی ہے:۔

قال لم يكن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقرأ أو يكتب.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔"

ان کے علاوہ بھی کئی آیات کی تفسیر صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین سے مروی ہے۔

تابعینؒ کے اقوال بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان لوگوں نے صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا۔کتب تفسیر بالماثور یا تفسیر بالمنقول سے یہی مراد نہیں کہ ان میں مندرجہ بالا امور کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوئی، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان چیزوں کو ہر لحاظ سے فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر بالماثور کی مشہور کتب:۔

مناع القطان نے درج ذیل کتب کو اس زمرہ میں شمار کیا ہے۔

1۔ تفسیر المنسوب الی ابن عباس 68ھ۔

2۔ تفسیر ابن عینیۃ (ابو محمد سفیان بن عینیہ بن میمون الی الھلالی مولد ہم الکوفی ثم مکی ف198۔

3۔ تفسیر ابن ابی حاتم (عبدالرحمٰن بن محمد ف191ھ)

4۔ تفسیر ابی الشیخ ابن حبان (ابو الشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حبان یا حیان ف361ھ)

5۔ تفسیر ابن عطیہ (عبدالحق بن غالب المحازنی (ف546ھ)۔

6۔ تفسیر بحر العلوم، ابو اللیث السمر قندی (نصر بن محمد ۔ف373ھ)۔

7۔ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن (احمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری ۔ف427ھ)۔

8۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن (ابن جریر الطبری ابو جعفر محمد بن جریر ف310ھ)۔مطبوع کتاب کا نام اس طرح سے ہے۔جامع البیان عن تاویل ای القرآن۔

9۔ تفسیر ابن ابی شیبہ (ابو بکر عبداللہ بن محمد ابی شیبہ ف239ھ۔)

10۔ معالم التنزیل البغوی (ابو محمد حسین بن مسعود البغوی ،ف516ھ۔

11۔ تفسیر القرآن العظیم ابوالفداء الحافظ اسماعیل (حافظ اسماعیل بن کثیر ف774ھ۔

12۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن تفسیر الثعالبی (ابو عبدالرحمٰن محمد بن مخلوف ۔ف875۔

13۔ الدر المنشور فی تفسیر الماثور۔(جلال الدین سیوطی، ف911ھ)

14۔ فتح القدیر تفسیر شوکانیؒ (محمد بن علی ۔ف 1250ھ)

ان میں سے بعض کتب اور ان کے مولفین کا تعارف درج ذیل ہے:

1۔ تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الہاشمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ صحیح روایات کے مطابق وہ فرماتے ہیں:

ولدت وبنو ھاشم في الشعب

"میں اُس وقت پیدا ہوا جب بنو ہاشم شعب میں تھے(

گویا آپ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:

"ہم ان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں مانتے کہ آن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی۔ جوان کی خالہ میمونہ بنت الحارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں تھیں۔

بعض اوقات ان کے گھر جاتے اور رات گزارتے، چونکہ ذہین وفطین تھے اور علم و عمل کا شوق رکھتے تھے۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز نقل فرماتے ہیں۔

اللَّھمَّ فقِّھهُ في الدِّين وعلِّمه التأويل

"اے اللہ اسے دین میں سمجھ عنایت فرما اور تاویل سکھا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:۔

اللھم علمه الکتاب"

"اے اللہ ! اسے کتاب کا علم عنایت فرما۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں بڑھے اور علم حاصل کیا۔اس سے گولڈ زہیر کی غلط بیانی کی تردید ہوتی ہے جو اس نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود کے علماء سے علم حاصل کیا۔اور وہ بیان کرتے تھے:

وكثير مانجد مصاور العلم المقفلة لدى ابن عباس اليهود دين الذين اعتنقا الاسلام كعب الاحبار و عبدالله بن سلام

"ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے بڑے مصدر دو یہودی تھے۔ جو مسلمان ہوگئے تھے۔ کعب بن احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حمد امین مصری مشہور مفکر حدیث نے بھی مغربی آقا کی پیروی میں یہی اندازاختیار کیا ہے۔ ان کی تردیداستاد محمد حسین الذہبی نے کی ہے۔تفصیل کے لئے ان کی کتاب ملاحظہ کریں۔ بصیرت ہوتو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول پڑھو جس میں انھوں نے اہل کتاب کے متعلق وضاحت فرمائی:

عن عبد اللہ بن عباس رضي اللہ عنهما قال یامعشر المسلمین کیف تسالون أهل الکتاب وکتابکم الذي أنزل علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم أحدث الأخبار باللہ تقرءونه لم یشب وقد حدثکم اللہ أن أهل الکتاب بدلوا ماکتب اللہ وغیروا بأیدیهم الکتاب فقالوا [ص:954] هو من عند اللہ لیشتروا به ثمنا قلیلا أفلا ینهاکم ماجاءکم من العلم عن مساءلتهم ولا واللہ ما رأینا منهم رجلا قط یسألکم عن الذي أنزل علیکم

"مسلمانوں آپ اہل کتاب سے کیوں پوچھتے ہیں جبکہ آپ کی کتاب جو آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اتاری۔سب سے بعد میں اتری ہے۔پرانی نہیں ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ اہل کتاب نے اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو بدلا اور تحریف کی،اپنی مرضی سے لکھ کر کہنے لگے یہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔تاکہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کرسکیں۔جو علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہے وہ آپ کو اس بات سے نہیں روکتا کہ آپ ان سے سوال کریں؟ خدا کی قسم! میں نے ان سے ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ آپ سے اس چیز کے متعلق پوچھتا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات بھی ہوئی تو معلومات کے لئے یا تصدیق اور تردید کے لئے پوچھا نہ کہ مصدر سمجھ کر۔اہل علم کی شان یہ ہے کہ وہ دونوں پہلو بیان کرتے ہیں۔احمد بن مصری جیسے متجدد اور مستشرقین کا بھی علمی تقاضا ہے کہ وہ اس علمی دیہانت کے تحت اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاري کی اس روایت کو بھی علي رئوس الاشھاد بیان کرتے ہیں۔لیکن ایسا نہیں کیا۔کیونکہ علمی حقائق کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اسلام کو ہدف تنقید بنانا مقصود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ لغت عرب کے ماہر تھے ان کی وفات 68ھ میں ہوئی۔محمد بن حنفیہ (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے) نے جنازہ پڑھایا۔ ان کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشہور ہے۔یہ وہ تفسیر ہے جو تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس کے نام سے شائع ہوئی ہے۔جسے ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب "قاموس المحیط" نے جمع کیا ہے۔مصر سے کئی دفعہ شائع ہوئی۔پاکستان سے بھی شائع ہوچکی ہے۔ دوسری کتاب تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جس کو ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبداللہ الحمیدی نے کتب ستہ سے ان کی تفسیری روایات کو جمع کیا ہے اور ان کی سند پر بحث بھی کی ہے۔اس کو جامعہ ام القری نے شائع کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر اور ان کے علم کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ان کی تفسیر کے ماخذ درج ذیل ہیں:

1۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا۔

2۔صحابہ کبار رضوان اللہ عنھم اجمعین سے علم حاصل کیا۔

3۔لغت عرب اور شعر جاہلی سے بہت استشہاد کر تے تھے۔اس میں عین ایک خاص واقعہ ہے۔

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعبہ کے صحن میں قرآن کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ نافع بن الازرق اور نجدہ بن عویمر خارجیوں نے قرآن مجید کی بعض آیات کے متعلق عرب سے استشہاد کیا تو آپ نے ان کو بیان کر دیا۔

فہم ناقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا اثر تھا اور خاندانی فصاحت وبلاغت سے آپ خود تفسیر بیان فرماتے تھے۔

مناع القطان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کی آٹھ سلسلوں سے روایت کی ہے۔

تفسیر ابن جریر الطبریؒ:۔

ابو جعفر محمد بن جریرؒ بن یزید بن کثیر الطبری 224ھ میں طبرستان میں پیدا ہوئے۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ابن جریر الطبریؒ من کبار أئمّة الإسلام, وعلماً من أعلام الدِّین, یُحکم بقوله, ویُرجع إلی رأیه، لمعرفته وفضله, وکان قد جمع من العلوم مالم یُشارِک فیه أحدٌ من معاصریه, فقد کان حافظاً لکتاب اللہ

ابن جریرؒ ان اماموں سے ایک تھے جن کی بات کو وقعت دی جاتی تھی۔ان کے علم ومعرفت کی طرف لوگوں کی نگاہیں تھیں۔علوم میں کوئی ہم عصر ان کا ثانی نہ تھا۔آپ قرآن مجید کے حافظ تھے۔انکی وفات 310ہجری میں ہوئی۔

اُن کی تفسیر بہت اہمیت کی حامل ہے۔اس کے متعلق ابو حامد الاسفرائنیؒ فرماتے ہیں:

لو سافر رجل إلی الصین في تحصیل تفسیر ابن جریر لم یکن کثیرا"

"اگر کوئی تفسیر ابن جریرؒ کے لئے سفر کرے تو یہ زیادہ نہیں۔"

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وكتاب ابن جرير في التفسير لم يصنّف أحد مثله

"تفسیر ابن جریر جیسی کتاب کسی نے تصنیف نہیں کی۔"

اُن کی تفسیر کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔تفسیر بالماثور پراقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،اقوال الصحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین اور تابعینؒ پر اعتماد کرتے ہیں۔

2۔روایات کو اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔اور ترجیح بھی بیان کرتے ہیں۔

3۔ناسخ ومنسوخ کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

4۔وجوہ اعراب بیان کرتے ہیں اور آیات سے استنباط احکام کرتے ہیں۔

5۔بعض اوقات اسرائیلی روایات بیان کرکے عام طور پر ان پرتنقید کرتے ہیں۔

تفسیر بحر العلوم السمرقندی:۔

ابو للیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندیؒ الفقیہ الحنفی بہت مشہور مفسر ہیں۔آپ امام الھدیٰ کے نام سے بھی معروف ہیں۔آپ کے استاد گرامی ابو جعفر الہندوانی ہیں۔ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

1۔تفسیر القرآن المسمیٰ بحر العلوم۔۔۔2۔کتاب النوازل فی الفقہ۔۔۔3۔خزانۃ الفقہ۔۔۔4۔تنبیہ الغافلین۔۔۔5۔البستان

اُن کی وفات 373ھ یا375ھ میں ہوئی۔

فسیر بحرالعلوم کے متعلق حاجی خلیفہ فرماتے ہیں:

"ابوللیث نصر بن محمد الفقیہ السمرقندی کی تفسیر نہایت عمدہ ہے جس کی احادیث کی تخریج شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغاف 899ھ نے کی ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔اس کی اشد ضرورت ہے کہ کوئی طالب علم اس کی تحقیق کرکے اسے اہل علم لوگوں کے سامنے پیش کرے۔یہ القاہرہ میں موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اس تفسیر سے استفادہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"یہ تین بڑی جلدوں میں مخطوط کی صورت میں دارالکتب العربیہ میں موجود ہے۔اس کے مکتبہ الازہر میں دونسخے موجود ہیں۔میں نے اس تفسیر کوپڑھا ہے۔"اس نے مجردرائے

سے تفسیر بیان کرنے کی حرمت کے متعلق لکھتا ہے:۔

"میں نے دیکھا کہ اس کا مولف تفسیر سلف سے بیان کرتا ہے جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین تابعینؒ اور بعد کے لوگوں سے بیان کرتا ہے۔ اسناد کی طرف اس کی توجہ بہت کم ہے۔ اور عام طور پر روایات پر جرح و تعدیل بھی نہیں کرتے۔ لیکن یہ کتاب تفسیر بالروایۃ اور درایۃ کا بہترین نمونہ ہے جبکہ عقلی جانب پر نقلی جانب غالب ہے اسلئے اس کو تفسیر بالماثور میں شمار کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے قلمی نسخوں کی موجودگی اور اس کے مولف کے اسناد ذکر نہ کرنے کو استاد عبدالعظیم الزرقانیؒ نے بھی اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

الکشاف والبیان عن تفسیر القرآن للثعلبی:۔

مولف کتاب ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبیؒ نیشا پوری تھے آپ عظیم قاری، مفسر قرآن اور واعظ تھے۔ اور بہت دیندار آدمی تھے۔ ان کے متعلق ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

آپ یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے اتنی بڑی تفسیر لکھی جو دیگر تقاریر پر فوقیت رکھتی ہے۔"

یاقوت حمویؒ فرماتے ہیں:۔

ثعلبیؒ ایک عظیم قاری، مفسر، واعظ، ادیب، ثقہ، حافظ اور صاحب تصانیف تھے۔"

ابن الاثیرؒ آپ کی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ان کو ثعلبی اور ثعالبی دونوں طرح سے یاد کیا جا تا ہے۔

آپ نے ابو طاہر بن خزیمہؒ اور ابو بکر بن مہرانؒ قاری سے کسب فیض حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ابو الحسن الواحدی شامل ہے۔ آپ کا انتقال 427 ہجری میں ہوا۔

یہ تفسیر قلمی صورت میں سورۃ الفرقان تک مکتبۃ الازہر میں موجود ہے۔ باقی مفقود ہے۔ محمد علی الصابونی نے یہی بیان کیا ہے۔

سوال نمبر 3۔ تفسیر بالرائے کی اقسام اور اس کے جواز و عدم جواز میں علماء کے موقف کو بیان کیجئے۔

تفسیر بالرای سے مراد قرآن کی اجتہاد سے تفسیر بیان کرنا ہے۔ رائے اجتہاد کے معنی میں ہے۔ رائے کا لفظ قیاس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض نے تفسیر بالرای سے مراد ایسی تفسیر لی ہے جس میں مفسر قرآن معنی کے بیان میں اپنے فہم خاص اور مجرد رائے سے استنباط کر تا ہے۔ ان دونوں طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے اور قیاس کو اگر شریعت کے تابع رکھا جائے تو اس سے شریعت کی روح متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر رائے اور اجتہاد کو غلط استعمال کیا جائے تو یہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔ اس کو اہل علم نے تفسیر بالرای المحمود اور تفسیر بالرای المذموم قرار دیا ہے۔

احمدون ڈنفر نے تفسیر بالرای کی اس طرح وضاحت کی ہے:

ایسی تفسیر بالرای جو اپنی مرضی سے کی جائے جس میں محض رائے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز قرار دی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرآنِ بِرَأيِهِ ، فَلْيَتَبَوأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"جس نے اپنی مرضی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔"

دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرآنِ بغیر علم ، فَلْيَتَبَوأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

"جس نے قرآن مجید کے متعلق علم کے بغیر بیان کیا۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے۔"

اس قسم کی تفاسیر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے بیان کی ہیں۔ اگر تفسیر بالرای کو غور وفکر سے بیان کیا جائے تو یہ دین کی خدمت ہے۔ اور ملحدین کے جواب بھی اس میں آتے ہیں۔ جدید علوم وفنون کے ذریعے جو نت نئے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ اس مکتب فکر کے حامل لوگوں نے ان کو اپنا موضوع بنایا۔ اور ایک متوازن نقطہ نظر پیش کیا۔

مولانا محمد حنفی ندوی اس گروہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اصحاب الرای کی خدمت کا دائرہ بھی خاصا وسیع اور قابل قدر ہے۔ اس گروہ نے قرآن وسنت کے فقہی مضمرات کی نشان دہی کی۔ فکری اور کلامی نکتہ سینجوں کو نکھارا اور تعبیر وتشریح کے دائروں میں وسعت وعمق پیدا کیا۔ یہ اس گروہ کا فیضان ہے۔ کہ اسلام ایک مکمل اور منضبط نظریہ حیات کی شکل میں مدون ہوا۔

فهذه الآثار الصحيحة وما شاكلها عن أئمة السلف تدل على تحرجهم عن الكلام في التفسير بما لا علم لهم به فاما من تكلم بمايعلم من ذالك لغة وشرعا فلاحرج عليه

ائمہ سلف سے یہ آثار صحیحہ جو منقول ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تفسیر بیان کرنے میں حرج ہے جو علم کے بغیر بیان کی گئی ہے جہاں تک لغت اور شریعت پر مبنی تفسیر کا تعلق ہے اُس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

تفسیر بالرای کی مشہور کتب

مناع القطان نے اس مدرسہ فکر کی درج ذیل تفاسیر کا ذکر کیا ہے:۔

1۔ تفسیر ابی بکر عبدالرحمٰن بن کیسان۔ف 240 ہجری۔

2۔ محمد بن عبدالوہاب ۔ف 1303ھ۔

3۔ تفسیر عبدالجبار ابن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن خلیل القاضی ابو الحسن الہمدانی الاسد آبادی۔ف 410ھ۔

4۔ تفسیر الزمخشری الکشاف عن حقائق غوامض التزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، ابو قاسم جار اللہ محمود بن عمر، ف 539ھ۔

5۔ تفسیر مفاتیح الغیب، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمرو بن حسین الرازی، ف 606ھ۔

6۔ تفسیر ابن فواک (مشہور متکلم ہیں)۔

7۔ الجامع الاحکام القرآن ۔ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ ۔ف 67ھ۔

8۔ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوی عبداللہ بن عمر بن محمد۔ف 685ھ۔

9۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔المعروف تفسیر النسفی عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔ف 701ھ۔

10۔ لباب التاویل فی معانی التاویل۔المعروف تفسیر خازن علاؤالدین ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم ف 741ھ۔

11۔ البحر المحیط۔المعروف تفسیر ابن حیان، ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی الملقب اثیر الدین۔ف 745ھ۔

12۔ غرائب القرآن درغائب الفرقان نظام الدین حسن بن محمد خراسانی النیسابوری ۔ف 728ھ۔

13۔ تفسیر الجلالین جلا الدین المحلی۔ف 864ھ۔جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی ۔ف 911ھ۔

14۔ السراج المنیر۔شمس الدین محمد بن محمد الشربینی الخطیب ۔ف 977۔

15۔ ارشاد العقل الی ضرایا الکتاب الکریم۔ابو مسعود محمد بن محمد بن معطع۔ف 982ھ۔

16۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۔ابو الثناء شہاب الدین سید محمود آفندی آلوسی ف۔1270ھ۔

ان میں سے بعض کتب اور اُن کے مولفین کا تعارف درج ذیل ہے:۔

تفسیر قاضی عبدالجبار، المعروف تنزیہہ القرآن عن المطاعن قاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن عبدالجبار بن احمد بن خلیل فرقہ معتزلہ کے شیخ تھے۔ان کے استاتذہ میں ابوالحسن بن سلمہ بن القطان اور عبداللہ بن جعفر بن فارس شامل ہیں۔ان کے شاگردوں میں ابو قاسم علی بن الحسن التنوخی الحسن۔بنعلی العمیری الفقیہ اور ابو محمد عبدالسلام القزدینی المفسر

المعتزلی بہت مشہور ہیں۔ان کی وفات 415ھ میں ہوئی۔

اس کتاب کے متعلق ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کہتے ہیں:۔

"اس میں سورۃ الحمد تاوالناس تک بیان ہے لیکن ہر آیت کی تشریح نہیں ہے۔بلکہ یہ کتاب مختلف مسائل پر مبنی ہے۔بعض سوالات خود کر کے ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔اس میں نحوی مسائل ہیں۔پوری کتاب میں زیادہ تر توجہ اپنے معتزلی عقائد کی صداقت پر صرف کی گئی ہے۔بعض اوقات غیر مسلموں کے سوالات کے جوابات بھی آجاتے ہیں۔

معتزلہ کے عقائد کی مثال یہ بیان کی گئ ہے ۔معتزلہ آخرت میں رویئت باری تعالی کے قائل نہیں ہیں۔قرآن مجید کی اس آیت:۔

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾

"جنھوں نے نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مذید زیادہ ہے"

کیااس مراد رویئت باری تعالیٰ نہیں ہے؟ جبکہ حدیث میں ہے قاضی کے مطابق زیادہ سے مراد ثواب میں اضافہ ہے۔اس لئے آیت میں رویئت خداوندی مراد لینادرست نہیں ہے۔کیونکہ رویئت خداوندی ان کے نزدیک (اہل سنت)ہر قسم کے اجر وثواب سے بڑھ کر ہے۔پھر اس کے ذریعہ الحسنیٰ پر اضافہ کیسے ممکن ہے۔یہ کتاب تفسیر بالرائے مزموم کے ذکر میں آتی ہے۔

2۔ تفسیر الکشاف للزمخشری:۔

ابو القاسم محمود بن عمرالزمخشری اللغوی 467ھ میں زمخشر جو کہ خوارزم کی ایک بستی ہے، میں پیدا ہوئے۔ یاقوت حمویؒ نے بھی زمخشر کی بستی میں ان کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔

سیوطیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ جاءاللہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مدت تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔اُنکے اساتذہ میں ابوالخطاب بن السطر ہیں۔اور شاگردوں میں السلفی اور زینب الشعریۃ ہیں۔اعتزال کے امام اور داعی تھے۔نحوی،لغوی،المتکلم اور مفسر تھے۔اُن کی کئی تصانیف ہیں۔اُن کا انتقال 538 میں ہوا۔ ان کے متعلق ابن خلکان کہتے ہیں۔اپنے وقت کا امام تھا۔اعتزال کا اظہار کرتا تھا اور اس کا داعی تھا۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں معتزلی عقائد پر خوب تبصرہ کیا ہے۔لغت،ادب،اور بلاغت پر بہترین نمونہ ہے۔حاجی خلیفہ کے مطابق اس کی تکمیل 528ھ میں ہوئی۔وہ فرماتے ہیں:۔

زمخشری کو اپنی تفسیر پر ناز تھا۔وہ خود یہ شعر دہرایا کرتے تھے:۔

اِنّ التفاسیر في الدنیا بلا عددٍ ** ولیس فیھا لعمري مثلُ (کشافي). اِن کنت تبغي الھدی فالزم قراءتہ ** فالجھل کالداء والکشاف کالشافي

"دنیامیں بے شمار تفاسیریں ہیں۔مگر میری زندگی کی قسم کشاف جیسی کوئی نہیں۔اگر ہدایت کی طلب ہے تو اسے پڑھتے رہو، کیونکہ جہالت ایک بیماری ہے جس سے کشاف شفا دیتی ہے"

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی فرماتے ہیں:۔

"اگراعتزال سے صرف نظر کرلیاجائے تو "الکشاف" ایسی کتاب ہے، جس کی طرف سبقت نہیں کی گئی۔اور زمخشری جیسا کوئی آدمی نہیں۔جو قرآن کے جمال اور اُس کے سحر بلاغت سے نقاب الٹ سکے۔اُس نے لغت عرب اور اشعار کا بھی خیال رکھا ہے۔"

محمد حسین الذہبی نے اپنی کتاب میں ابن بشکوال حیدر الہروی، ابوحیان صاحب تفسیر البحرالمحیط، ابن خلدون اور السبکی وغیرہ کے "الکشاف" کے متعلق الفاظ قلمبند کئے ہیں جن میں وہ ان کی علمی کاوشوں کی تعریف کرتے ہیں لیکن ان کے نظریہ اعتزال پر تنقید کرتے ہیں۔

قاضی احمد بن محمد بن منصور المنیر المالکی ف683ھ نے "الکشاف" پر حاشیہ لکھا۔جس میں انھوں نے الکشاف میں خود معتزلی عقائد کارد کیا۔ان تمام باتوں کے باوجود اس کتاب کی درج ذیل خوبیاں بیان کی جاسکتی ہیں:۔

1۔حشو وتطویل سے خالی ہے۔

2۔قصص واسرائیلیات میں بہت کمی ہے۔

3۔بیان معانی میں لغت عرب اور ان کے اسلوب کا خیال رکھا ہے۔

4۔اس کتاب میں علم معانی بیان اور بلاغت کے بڑے نکتے بیان کئے گئے ہیں۔

3۔تفاسیر مفاتیح الغیب للرازی:۔

مولف تفسیر ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین بن علی فخر الدین الرازیؒ 544ھ میں پیداہوئے۔انھوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ کمال سمعانی اور مجد الجیلی سے علم حاصل کیا۔

السیوطیؒ نے انھیں محی السنۃ البغوی کے تلامذہ میں شمار کیاہے۔جو کہ درست نہیں ہے۔کیونکہ محی السنہ البغوی کی وفات 516ھ میں ہوئی جو الرازی کی پیدائش سے بھی قبل ہوگئ

تھی جیسا کہ خود سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی غلطی سیوطیؒ سے کیسے ہوئی؟

یہ بڑے مشہور متکلم بھی ہیں ان کے متعلق ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

وله تفسیر الکبیر و المحصول فی اصول الفقه وشرح الاسماء الحسنیٰ وشرح العضل لذمخشری وشرح الوجین للغزالی۔وشرح سقط الذند لابی الولید الھری

ان کی وفات 606ھ میں ہوئی۔

ابن قنفذ المقتطینی نے ان کی وفات 616ھ لکھی ہے جو کہ درست نہیں ہے اس کی تردید محقق نے ان کی ا پنی کتاب سے کردی ہے۔

تفسیر مفاتیح الغیب بڑی ضخیم تفسیر ہے۔اس کتاب میں انھوں نے ربط آیات کا خیال رکھا ہے۔علم کلام کے مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔وہ فلاسفہ کے اقوال نقل کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں۔اس میں معتزلہ کے عقائد پر بھی بحث وتنقید کی گئی ہے۔وہ مخالفین کے اعتراضات بڑی صراحت سے بیان کرتے ہیں۔لیکن بعض اوقات جواب کافی وشافی نہیں ہوتا۔اس لئے ان کی تفسیر کے متعلق صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں۔امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کو حکماء وفلاسفہ کے اقوال کا پلندہ بنادیا ہے وہ تفسیر ہے اس قدر دو نکل گئے کہ قاری اس کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں دب جاتاہے۔

ابوحیانؒ کہتے ہیں۔امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بے شمار غیر ضروری باتوں کو یکجا کردیا ہے۔اس لئے بعض علماء نے کہاہے۔تفسیر کبیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔

امام راازیؒ تفسیر کبیر کو مکمل نہ لکھ سکے۔اس کی تکمیل شہاب الدین بن خیل دمشقی(ف 639) اور نجم الدین احمد بن محمد(ف729ھ) نے کی۔

تفسیر رازی کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ یونانی علوم نے کس طرح مسلمانوں کے عقائد پر اثر ڈالا۔اور مسلمانوں نے کس انداز سے اس کا جواب دیا۔انھوں نے اپنے دور کے عقلی رجحانات سے بھی خوب پردہ اٹھایا ہے۔

4۔الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ:۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری خزرجیؒ اندلسی تھے۔آپ بڑے زاہد وعابد آدمی تھے۔آپ کے اساتذہ میں سے ابوالعباس بن عمر قرطبیؒ مولف "المفہم فی شرح مسلم" اور مشہور محدث ابو علی حسن بن محمد البکری بہت مشہور ہیں۔

آپ کی کتب میں "الجامع لاحکام القرآن" کے علاوہ شرح الاسماء الحسنیٰ "کتاب التذکار فی افضل الاذکار" اور کتاب التذکرۃ بامور الآخرۃ" شامل ہیں۔آپ کی وفات 671ھ میں ہوئی۔

قرطبیؒ کی تفسیر چھپی ہوئی ہے۔ابن فرحونؒ اسی کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ بڑی نفع بخش تفسیر ہے۔اس میں قصص اور موضوعات نہیں ہیں۔ مولف اسباب نزول، اقسام قرات اور اعراب پر بحث کرتا ہے۔ لغت اور اشعار عرب کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔وہ ناسخ و منسوخ پر بھی تبصرہ کرتا ہے۔

قرطبیؒ اپنی تفسیر میں صوفیاء، معتزلہ، قدریہ، شیعہ اور فلاسفہ پر بہت تنقید کرتے ہیں۔ اسرائیلی واقعات کا تذکرہ کم ہی کرتے ہیں۔ ابن جریر طبریؒ اور ابن عطیہؒ جیسے مفسرین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔احکام سے متعلقہ آیات پر بھی تفصیل سے دلائل بیان کرتے ہیں۔

5۔انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی":

قاضی القضاۃ ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی الشافعیؒ ایران میں شیراز کی ایک بستی البیضاء سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ شیراز کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف تفسیر بیضاوی اور مختصر الوسیط فی الفقہ المسمیٰ الغایۃ شامل ہیں۔ ان کی وفات 685ھ میں ہوئی۔ الاستوی نے ان کی وفات 691ھ لکھی ہے۔

تفسیر بیضاوی مطبوع ہے یہ الکشاف کا مختصر ہے لیکن اس میں الکشاف کے معتزلی نظریات کا رد ہے۔ اور اہل سنت کے عقائد کا اثبات ہے۔ لیکن بعض اوقات بیضاوی بھی صاحب کشاف کی پیروی میں کچھ کہہ جاتا ہے۔ جو عقائد اہل سنت کے خلاف ہے۔ ایک تو سورتوں کے فضائل میں زمخشری کی مانند وہی موضوع احادیث بیان کردی ہیں۔ اور دوسری مثال اُس نے جن کے اثر نہ کرنے کی دی ہے۔ یہ ہوبہو اس کی نقل ہے۔ اس کی ان سے توقع نہ تھی۔

" صاحب کشف الظنون "اس تفسیر کے متعلق جو فرماتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے اس تفسیر میں اعراب معانی تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔ حکمت و کلام سے وابستہ معلومات تفسیر کبیر سے لی گئی ہیں۔ اشتقاق سے متعلق مسائل راغب الصفہانی سے ماخوذ ہیں۔ بیضاوی نے اپنی فکر سے اختراع کی ہے۔ اس کتاب کے چالیس سے زیادہ حواشی ہیں۔ جن میں مشہور ترین تین ہیں۔

1۔حاشیہ القاضی زکریا 2۔حاشیہ السیوطی

3۔حاشیہ القوجوی۔

اس کتاب کا مطالعہ قرآن مجید کو صحیح سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

6۔مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف "تفسیر نسفی":۔

ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی بہت مشہور عالم تھے۔ ان کے اساتذہ میں سے الکرومی اور احمد بن محمد العتابی بہت مشہور ہیں۔

ان کی تصانیف میں سے مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے علاوہ متن الوافی فی الفروع الکافی ۔۔کنز الد قائق فی الفقہ۔المنار فی اصول الفقہ،العمدۃ فی اصول الدین بہت معروف ہیں۔

نسفی کی نسبت نسف کے شہر کی طرف ہے۔جو کہ جیحوں اور سمرقند کے درمیان واقع ہے۔ آپ کی وفات 701ھ میں ہوئی۔

یہ کتاب الکشاف للذ مخشری اور انوار التنزیل للبیضاوی کا اختصار ہے۔اور اس میں بہت سے عمدہ اضافے ہیں۔اس کتاب میں علم بلاغت کے نکتے علم قرات وجوہ اعراب اور اہل سنت کے صحیح نقطہ ء نظر کو پیش کیا گیا ہے اس کتاب میں فقہ کے مسائل بھی ہیں نحو کے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں۔اسرائیلیات کو بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔مثلاً قرآن مجید کی آیت:

﴿وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمَٰنَ وَأَلۡقَيۡنَا عَلَىٰ كُرۡسِيِّهِۦ جَسَدٗا ثُمَّ أَنَابَ ٣٤﴾ ...سورۃ ص

)"ہم نے سلیمان علیہ السلام کو امتحان میں ڈالا۔ اور ان کی کرسی پر ایک جسم کو ڈال دیا۔پر انھوں نے رجوع کیا"(

یہاں ایسی روایات نقل کی گئی ہیں۔جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت کے مخالف نہیں ہیں۔پھر لکھتے ہیں۔

وأما ما يُروى من حديث الخاتم والشيطان، وعبادة الوثن في بيت آل سليمان عليه السلام ضمن اباطيل اليهود

(حدیث خاتم اور شیطان اور سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت کی پوجاوغیرہ کے افسانے یہود کی اباطیل میں سے ہیں)۔

یہ طبع شدہ کتاب ہے اور بہت مفید ہے۔

7۔لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف "تفسیر خازن":۔

علاءالدین ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل الشیحی بغدادی المعروف خازن بغداد میں 678ھ میں پیدا ہوئے۔ خازن کے نام سے اس لئے مشہور ہوئے کہ دمشق کے ایک کتب خانہ کے خازن تھے۔

بغداد میں ابن الدوالیبی سے اور دمشق میں آکر القاسم بن مظفر اوروزیر بنت عمر سے شرف تلمیذ حاصل کئے۔

ان کی تصانیف لباب التاویل فی معانی التنزیل شرح عمدۃ الاحکام اور مقبول المنقول ہیں۔ان کی وفات 741ھ میں ہوئی۔

ان کی تفسیر معالم التنزیل لبغوی کا مختصر ہے۔اور اس میں انھوں نے بعض اضافے بھی کئے ہیں۔جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

ولما كان هذا الكتاب كما وصفت أحببت أن أنتخب من غرر فوائده ... لخلاصة منقوية متضمنا لنكتة وأصوله مع فوائد نقلتها لخصتها من كتب التفاسير

"جب یہ کتاب اسی طرح جس طرح میں نے بیان کیا، میں نے پسند کیا کہ اس کے عمدہ فوائد اور نایاب موتیوں کا انتخاب کروں گا جو اس کے نکات واصول کو اپنے اندر سمو لے۔اور اس کے ساتھ میں نے بھی کتب تفاسیر سے فوائد اور نایاب چیزوں کو نقل کیا ہے۔"

ان کی کتاب میں بعض اسرائیلی روایات بھی ہیں۔جن پر کوئی تنقید نہیں کرتے مثلا آیت:

﴿إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾﴾ ...سورۃ الکھف

"جب نوجوانوں نے غار میں پناہ پکڑلی۔انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملے میں بھی راہنمائی دے (کی تشریح کرتے ہوئے عجیب واقعات نقل کئے ہیں۔جن کی صحت وسقم کا بالکل علم نہیں۔بلکہ محض اسرائیلی روایات ہیں۔اور پھر ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

تاہم تفسیر خازن میں تاریخی واقعات ہیں۔فقہی مسائل ہیں۔اور پھر اس میں مواعظ کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

8۔البحر المحیط لابی حیان:۔

اثر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی المعروف ابوحیان 654ھ میں پیدا ہوئے۔

ان کے اساتذہ میں سے مشہور عبدالنصیر بن علی مربوطی، ابو طاہر اسماعیل بن عبداللہ الملیجی اور شیخ بہاؤالدین ہیں۔خود فرماتے ہیں۔میں نے چار سو پچاس اشخاص سے علم حاصل کیا۔

آپ عظیم شاعر اور لغوی تھے۔صرف ونحو میں یکتا روگار تھے۔تفسیر، حدیث، تراجم، تراجم رجال میں مہارت رکھتے تھے۔آپ کی تصانیف میں سے البحر المیحط تفسیر کے علاوہ غریب القرآن ، شرح التسہیل، نہایۃ الاعراب، اور خلاصۃ البیان شامل ہیں۔آپ ا صلی لغت کے عالم تھے۔آپ کی وفات 745۔میں ہوئی۔

ان کی تفسیر کا قرآن میں بڑا مقام ہے۔مولف مفردات کے معانی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔اور صرف ونحو کے علمی نکات پر بڑی بحثیں کرتے ہیں۔اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ اور مختلف قراءتوں کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔قرآن کے بلاغی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔فقہی مسائل سے بھی اعراض نہیں کرتے۔اور ائمہ سلف کے مذہب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا اختصار ابوحیان کے شاگرد تاج الدین احمد بن عبدالقادر (ف 745ھ) نے لکھا۔معتزلہ کے رد میں بھی بہت سے مسائل ہیں۔زمخشری پر بڑی تنقید کی گئی ہے۔بلکہ بعض اوقات اعتزال کا بہت مذاق اڑاتے ہیں۔

9. غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیشاپوری:-

نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسین القمی الخراسانی نیشا پوری المعروف "النظام الاعرج" نیشا پور کے شہر "قم" میں پیدا ہوئے۔ عربی زبان علوم عقیلہ ادب وانشاء اور علم تفسیر وتاویل میں عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ عابد وزاہد تھے۔ تصوف سے خاص شغف تھا۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں: شرح الشافی لابن حاجب، شرح تذکرہ خواجہ نصر الدین طوسی (علم ہیئت میں سے) رسائل فی الحساب کتاب اوقاف القرآن، لب التاویل اور غرائب القرآن وغائب الفرقان۔ ان کی وفات کا صحیح علم نہیں۔ بعض نے تفسیر کا اختتام 850ھ میں بنایا ہے۔ اسی لحاظ سے نویں صدی کے عالم ہیں۔ بعض نے وفات 728 ھ لکھی ہے۔ اس تفسیر میں مختلف فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ربط آیات بیان کرتے ہیں۔ یہ ربط انھوں نے تفسیر کبیر سے لیا ہے۔ پھر بڑے اچھوتے انداز میں معانی ومطالب بیان کرتے ہیں۔ فقہی مسائل پر بھی بحث کرتے ہیں۔ علم کلام کے مسائل کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔ اور مخالفین کے دلائل کی تردید کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر میں تصوف کا عنصر بھی ہے۔ اُن کی طرف شیعہ ہونے کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب شیعہ کی تردید کرتے ہیں۔ تفسیر کی علمی قیمت بہت زیادہ ہے۔

10۔ تفسیر الجلالین المحلی والسیوطی:-

جلال الدین سیوطیؒ پر تفسیر الدر المنشور کے ذکر سے کلام ہوتا ہے جلال الدین محمد بن احمد ابن محمد بن ابراہیم المحلی الشافعی 791ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بدر محمود احقرائی۔ برہان بیجوری شمس اور علاء البخاری سے علم حاصل کیا۔ علم ومعقول میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ان کی تصانیف میں سے شرح جمع الجوامع فی الاصول شرح المنہاج فی فقہ الشافعیہ شرح الورقات فی الاصول اور تفسیر جلالین مشہور ہیں۔ آپ کی وفات 864ھ میں ہوئی۔

اس تفسیر میں دو مشہور امام جلال الدین محلّی اور جلال الدین السیوطیؒ شامل ہیں۔ المحلی نے الکہف سے والناس تک تفسیر لکھی۔ اور پھر الفاتحہ سے شروع ہوئی۔ ان کا خیال پھر ادھر سے سورۃ الاسراء تک لکھنے کا تھا۔ لیکن فرشتہ اجل کو لبیک کر دیا۔ پھر سورۃ البقرہ سے اسراء تک السیوطی نے لکھی۔ اس طرح یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ یہ تفسیر نہایت جامع اور مختصر ہے۔ دونوں اماموں نے بہت اچھی کوشش کی ہ۔ اس کتاب پر مختصر حاشیے لکھے گئے ہیں۔ جن میں حاشیہ الجمل اور حاشیہ الصاوی بہت مشہور ہیں۔ ایک حاشیہ "قبس التہریني" شمس الدین محمد بن العلقمی نے 952ھ میں لکھا ہے۔ اور ایک مجالس حاشیہ ہے۔ جسے نور الدین علی بن سلطان محمد القادری نے (ف1010ھ) میں لکھا ہے۔

11۔ السراج المنیر للخطیب شربینی:-

شمس الدین محمد بن محمد الشربینی الشافعیؒ الخطیب قاہرہ کے ساکن تھے۔ انھوں نے شیخ احمد ابرلسی، النور المحلی البدر المشدی اور الشہاب الرملی سے کسب فیض کیا۔ آپ بہت متقی اور شب زندہ دار آدمی تھے۔آپ کی تصانیف میں سے "شرح لمنہاج" شرح کتاب البینہ اور السراج المنیر فی الاعانۃ علی معرفۃ بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر" بہت مشہور ہیں۔آپ نے 977ء میں وفات ہوئی۔

یہ تفسیر نہایت آسان فہم اور درمیانہ درجہ کی ہے۔یعنی نہ طویل اور نہ ہی بالکل مختصر۔انھوں نے اپنی تفسیر میں صحیح اور حسن احادیث کو ذکر کیا ہے۔انھوں نے ابن جریر الطبری ،زمخشری اور بیضاوی کی روایت کردہ بعض ضعیف حدیثوں کو ہد تنقید بنایا ہے۔ مولف تفسیری نکات بیان کرتے ہیں۔بعض فقہی مسائل پر بطور ضرورت تبصرہ فرماتے ہیں۔بعض اوقات اسرائیلی روایات بھی بغیر تبصرہ کے نقل فرمادیتے ہیں۔مولف نے تفسیر رازی سے بہت زیادہ حاصل کیا۔

نیز یہ کتاب مطبوع ہے۔اور اہل علم کے پاس موجود ہے اور قدیم تفسیروں کو اچھے انداز سے جمع کیا گیا ہے۔

12۔ارشاد العقل السلیم الی ضرایا الکتاب الکریم لابی السعود:۔

ابو السعود محمد بن محمد مصطفے العمادی الحنفی قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں میں 893ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا گھرانا علمی تھا۔والد صاحب اور دیگر اکابر سے کسب فیض کیا۔952ھ میں مسند افتاء پر متمکن ہوئے اور 982ھ میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

اس تفسیر میں بلاغت کے نقطے بیان کئے گئے ہیں جو پہلے کسی نے نہ بیان کئے تھے۔مولانا عبدالحئ لکھنوی نے اس سے استفادہ کیا۔ مولف کتاب الکشاف اور بیضاوی کا بہت ذکر کرتا ہے۔ان دونوں تفسیروں کے مطالعہ کا اس نے ذکر بھی کیا ہے۔

انھوں نے اہل سنت طریقے کے مطابق تفسیر لکھی۔اعتزال سے الگ رہے لیکن الکشاف اور بیضاوی کی وضعی روایات کو فضائل السور میں بیان کرتے ہیں۔جو کہ بالاتفاق موضوع ہیں۔مولف قرائت کا خیال رکھتا ہے۔اسرائیلی روایات کم بیان کرتا ہے۔بعض اوقات کلبی جیسی کذاب راویوں کی روایات کو بھی تفسیر میں جگہ دیتا ہے فقہی مسائل بھی تفسیر میں کم ہیں۔یہ کتاب طبع شدہ ہے۔

سوال نمبر4۔ صوفیاء کے تفسیری رجحان کو بیان کرنے کے بعد تفسیر تستریؒ اور تفسیر ابن عربی پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیے۔

ابن عربی کسی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے۔یہ بارہویں صدی کی عبقری شخصیت اور عظیم فلسفی، مفکر اور محقق ہیں۔ عالم اسلام کے چند اہم دانشوران، مفکرین فلسفیوں اور صوفیاء میں سے ایک شیخ اکبر ابن عربی ہیں۔

تقریباً 800 کتابوں کے مصنف ابن عربی کو صوفیاء نے "شیخ الاکبر" کا لقب دے رکھا ہے اور آج تک یہ لقب کسی اور کو نہیں مل سکا ہے۔ آپ کے نام کے ساتھ ال نہیں لگایا جاتا کیونکہ آپ سے ایک صدی قبل ابن العربی کے نام سے ایک علمی شخصیت امام غزالی کے شاگرد قاضی ابو بکر ابن العربی اشبلیہ ہسپانیہ میں مشہور رہے ہیں۔ دونوں شخصیات میں تمیز کرنے کی خاطر انہیں ابن العربی اور آپ کو ابنِ عربی لکھا جاتا ہے۔ آپ کو ابن العربی صرف آپ کے لقب محی الدین کے ساتھ ہی لکھا۔

ابن عربی کا پورا نام شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد ابن عربی الاندلسی الحاتمی الطائی ہے۔ آپ حاتم طائی کی نسل سے تھے جو اپنی سخاوت کے باعث نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں آج تک مشہور و معروف ہیں۔ بنی طے ایک قبیلہ تھا، حاتم اس قبیلے کا ایک سردار تھا جس کے دروازے سے کوئی سائل خالی نہیں جاتا تھا۔ ویسے بھی عربوں میں مہمان نوازی بہت مشہور ہے۔ ان روایات کو عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ لے گئے۔ حاتم طائی کی اولاد میں سے ایک صوفی منش گھرانے نے اندلس میں آکر رہائش اختیار کرلی تھی۔

ابن عربی کے دادا محمد اندلس کے قضاۃ اور علما میں سے تھے۔ ابن عربی کے والد علی بن محمد فقہ اور حدیث کے آئمہ اور زہد و تصوف کے بزرگوں میں سے تھے۔ والدہ انصار سے تعلق رکھتی تھیں، ابن عربی کے ماموں شیخ یحییٰ بن یغان اور ابو مسلم الخولانی دمشق کے ایک مشہور ولی اللہ تھے، ابن عربی کا صوفی منش گھرانہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔

کتابِ مناقبِ غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادری لکھتے ہیں کہ ابن عربی کے والد علی بن محمد لاولد تھے۔ حتّٰی کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہوگئی۔ وہ حضرت غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت غوث نے حضورِ حق میں دعا فرمائی اور پھر بشارت دی کہ تیرے گھر ایک بچہ پیدا ہوگا، اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھنا ہے۔ یہ بچّہ درجۂ عظیم اور رتبۂ عالی پائے گا۔

ابن عربی 17 رمضان المبارک 560ھ (بمطابق 1165ء) میں اندلس یعنی اسپین کے ایک شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت آپ کی پیدائش ہوئی اندلس میں خانہ جنگی کا ماحول تھا اور کوئی مستحکم حکومت نہیں تھی۔ ابن عربی کے والد مرسیہ کے ہسپانوی الاصل حاکم محمد بن سعید مرذنیش کے دربار سے متعلق تھے۔ ابن عربی ابھی آٹھ برس کے تھے کہ مرسیہ پر مؤحدون کے قبضہ کر لینے کے نتیجہ میں آپ کے خاندان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ آپ کے والد نے لشبونہ (حالیہ پرتگال کا دارالحکومت لزبن) میں پناہ لی۔ البتہ جلد ہی اشبیلیہ کے امیر ابویعقوب یوسف کے دربار میں آپ کو ایک معزز عہدہ کی پیشکش ہوئی اور آپ اپنے خاندان سمیت اشبیلیہ منتقل ہوگئے، جہاں پر ابن عربی نے عام بچوں کی

طرح تعلیم و تربیت پائی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا۔

ابن عربی کی ابتدائی تعلیم حسب دستور گھر پر اور دیگر مراحل آپ مرسیہ اور لشبونہ میں طے کر چکے تھے۔ اشبیلیہ میں آپ کو اپنے وقت کے نامور عالموں کی مجالس میں بیٹھنے کی سعادت ملی۔ تصوف، فقہ اور دیگر مروجہ دینی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ کا بہت سا وقت صوفیاء کی خدمت میں گذرنے لگا۔ اشبیلیہ میں آپ 598ھ تک رہے۔ اس دوران آپ حصول علم میں ہمہ تن مصروف رہے اور کئی علوم مثلاًقرات، تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو، ریاضی، فلسفہ، نجوم، حکمت میں دسترس حاصل کی۔ آپ نے اپنے دور کے نامور اور اعلی مقام اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

ادب، تاریخ، شاعری اور بعض دیگر علوم وفنون کا اکتساب ابو بکر محمد بن خلف بن صافی لخمی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن غالب شراط قرطبیؒ، ابو بکر محمد بن احمد بن ابی حمزہ سے کیا۔ حدیث اور دیگر دینی علوم کی تعلیم ابن زرقون انصاری، ابو حافظ ابن جد، ابوالولید حضرمی اور عبدالمنعم خزرجی وغیرہ سے حاصل کی۔ ابو محمد عبدالحق اشبیلی کے حلقۂ درس میں ایک عرصے تک شامل رہے۔ آپ کے مشائخ اور اساتذہ کی تعداد 70 تک پہنچتی ہے۔

ابن عربی بچپن ہی سے نیک اور صادق القول تھے اور بہت ذہین بھی تھے۔ ان کی ذہانت کا چرچا جلد ہی دور دور تک پھیل گیا تھا اور لوگ اکثر ان کو ملنے آنے لگے تھے۔

ابن عربی کی غیر معمولی صلاحیت اور علم کا چرچا اندلس میں پھیلنا شروع ہوا، تو مشہور فلاسفر اور قرطبہ کے قاضی القضاۃ ابن رشد نے ابن عربی کے والد جو ان کے دوست بھی تھے سے کہا کہ کسی وقت اپنے بیٹے کو میرے پاس بھیجیں۔ ابن شد ، ابن عربی سے مل کر بہت متاثر ہوئے۔ ابتدائی عمر میں ابن عربی کا رجحان تصوف وتزکیہ کی جانب نہیں تھا۔ لیکن اس درمیان ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کی پوری زندگی کو بدل دیا۔ آپ کے والد وزیر ریاست تھے اور آپ کے خاندان کا شمار ملک کے باوقار لوگوں میں ہوتا تھا۔ اندلس کے صوبہ اشبیلہ کے حاکم کے یہاں شیخ ابن عربی کا اپنے والد کے ساتھ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ حصول علم کے بعد آپ پہلے پہل ڈیڑھ دو سال کا عرصہ سرکاری ملازمت میں بطور فوجی (الجندی) اور پھر کاتب (سیکرٹری) کے عہدے پر فائز ہوئے، جو دیوان سلطنت کا اہم عہدہ تھا۔

ابھی نوجوانی کی دہلیز میں داخل ہی ہوئے تھے جس وقت آپ کی عمر بیس برس کی تھی آپ اشبیلیہ کے کسی امیر کی دعوت میں مدعو تھے، جہاں پر آپ کی طرح دوسرے

روساء کے بیٹوں کو بلایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد جب جام گردش کرنے لگا اور صراحی آپ تک پہنچی اور آپ نے جام کو ہاتھ میں لے کر پینا چاہ رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کی آواز ان کو سنائی دیتی ہے۔ "نوجوان....! تمہارا کام شراب پینا اور اس طرح کی مجلسوں میں شرکت کرنا نہیں ہے۔" اس واقعہ کے بعد ابن عربی نے جام ہاتھ سے پھینک دیا اور پریشانی کے عالم میں دعوت سے باہر نکل آئے۔ دورازے پر آپ نے وزیر کے چرواہے کو دیکھا، جس کا لباس مٹی سے اٹا ہوا تھا وہ بکریاں لیے چلا جا رہا تھا۔ آپ اس کے ساتھ ہو لئے اور شہر سے باہر جا کر اپنا شاہانہ لباس اس چرواہے کو دیا اور اس کے بوسیدہ کپڑے پہن کر کئی گھنٹوں تک ویرانوں میں گھومتے رہے۔ دن اور رات ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے، اس دوران ان کے دل کی کیفیت بدل چکی تھی۔ اپنی صوفی منش طبیعت کے ہوتے شاہی ماحول سے آپ کا دل اچاٹ ہونے لگا تو آپ نے ملازمت سے ہاتھ اٹھا لیا اور زہد و فقر کو اپنا شعار بنایا۔

آپ کے مرشد شیخ یوسف نے آپ کی سمت نمائی میں اہم کردار ادا کیا۔ تصوف میں اندلس کے بزگوں اور صوفیوں سے علم حاصل کرنے کے بعد انہیں احساس ہوا ہے کہ انہیں مزید علم کی ضرورت ہے چنانچہ ابن عربی نے حصولِ علم کی خاطر دور دراز کے سفر کیے، کئی علاقوں میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ ابن عربی نے 590ھ (1194ء) میں پہلی بار اندلس کی سرزمین سے باہر کا سفر کیا۔ وہ اندلس سے نکل کر میں شمالی افریقہ پہنچتے ہیں۔ یہاں آپ کو ایسے صوفیا کی صحبت میسر آئی جنہوں نے آپ کی روحانی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ نے تونس میں ابوالقاسم بن قسی نامی صوفی کی کتاب خلع النعلین کا درس لیا۔ بعد میں آپ نے اس کتاب کی شرح پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا۔ اسی سفر کے دوران آپ کی ملاقات ابو محمد عبدالعزیز بن ابو بکر القریشی المہدوی کے ساتھ ہوئی، جن کی فرمائش پر آپ نے اندلس کے صوفیا کے تذکروں پر مشتمل اپنی کتاب روح القدس لکھی۔ اس کتاب میں پچپن صوفیا کا تعارف کرایا گیا، جن کے ساتھ آپ کا رابطہ رہا یا جن کے ساتھ آپ کا شاگردگی کا رشتہ تھا۔ شمالی افریقہ میں شیخ ابن عربی نے ایک خانقاہ قائم کی ۔ دو سال کے عرصے میں وہاں ان کا ایک بڑا حلقہ بن گیا۔ اندلس کے ساتھ آپ کا رابطہ بحال تھا کیونکہ آپ کے والدین، قریبی عزیز و اقارب وہاں مستقل رہائش پذیر تھے۔ ابن عربی کو جلد ہی اندلس لوٹنا پڑا، جس کا سبب آپ کے والد کی وفات تھی۔ اندلس واپسی کے راستے میں ابن عربی مریہ کے مقام پر، جہاں پر ابن عریف (مصنف محاسن المجالس) نے صوفیوں کے لئے تربیتی دائرہ قائم کر رکھا تھا پہنچے، یہاں آپ نے اپنی کتاب مواقع النجوم صرف گیارہ روز کے اندر تصنیف کی۔ یہاں سے آپ آبائی وطن مرسیہ پہنچے۔ وہاں والد کی جائیداد کو فروخت کر کے آپ اشبلیہ پہنچے اور چند برس گھر والوں کے ساتھ رہے۔

آپ پر گھر بار کی ذمہ داری آن پڑی تھی ہر طرف سے ابن عربی پر زور ڈالا جانے لگا کہ وہ ریاست کی ملازمت اختیار کر لیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ اپنی والدہ اور دو بہنوں کے ساتھ فاس (مراکش) آ گئے اور وہیں اپنی بہنوں کی شادی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ چند سال کے بعد ابن عربی کی والدہ بھی واصل بحق ہو گئی۔

اس کے بعد اپنی دیرینہ خواہش مکہ مکرمہ کی زیارت کے بارے میں سوچنے لگے۔ والدہ اور بہنوں کی ذمہ داری کے سبب اس خواہش کو ملتوی کرتے رہے تھے۔ 596ھ (1199ء) میں ابن عربی نے اندلس سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا وہ براستہ بجایہ (الجزائر)، تیونس، مصر، القدس (یروشلم) سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے اور تقریباً دو سال وہاں قیام کیا۔ اس دوران وہاں کے علمی اور مذہبی حلقوں میں آپ کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہلچل پیدا ہوئی۔ ابن عربی کی تصنیفی سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس دوران میں اپنی کتاب روح القدس کے مسودے کو مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ تین دوسری کتابیں (مشکوٰۃ الانوار، حلیۃ الابدال اور تاج الرسائل) تحریر کیں۔ انہوں نے ایک معرکۃ الآراء کتاب الفتوحات المکیہ تصنیف کی۔ یہ تصنیف آپ نے 599ھ میں لکھنا شروع کی۔ جس کی تکمیل 28 برس بعد 627ھ میں ہوئی۔ یہ کتاب 37 جلدوں، 560 ابواب پر مشتمل ہے۔ عبد الوہاب الشعرانی (المتوفی 973ھ) نے فتوحات مکیہ کا خلاصہ لواقع الانوار القدسیہ المنتقاۃ من الفتوحات المکیہ کیا۔ اس خلاصہ کا خلاصہ بعنوان الکبریت الاحمر من علوم الشیخ الاکبر بھی ہوا

سوال نمبر 5۔ معارف القرآن اور ضیاء القرآن پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیے۔

قرآن مجید، فرقان حمید ابدی اور سرمدی تعلیمات کا مجموعہ اور احکام خداوندی کا مآخذ ہے، جو ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل کامیابی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہ وہ اعجاز قرآن ہے جس سے دوسری الہامی کتب بھی محروم ہیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کا اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے بندوں سے کیا گیا آخری خطاب ہے۔ اس لیے علمائے امت کی یہ اہم ذمہ داری رہی ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی فرمائیں۔

اسی لیے دور رسالت سے لے کر عصر حاضر تک ہر دور میں علماء نے قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کو اپنا نصب العین بنایا۔ کلام الٰہی کی ہر آیت یکتا و بے مثل ہے۔ ترتیب اور شستگی الفاظ، بیان کی خصوصیات، سورتوں کا غیر معمولی آغاز و اختتام، آیات کی روانی، بے نظیر افکار رسانی، لفظ و معنی کا حسین امتزاج سب کچھ کیف آور اور وجد آفریں ہے۔ کلام اس قدر جامع اور وسیع المعنی ہے کہ کسی بھی زبان میں اس کے حتمی ترجمہ اور تفسیر کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

الفاظ و آیات کی مفصل تفسیر تو ممکن ہے لیکن ان کے معنی و مفہوم کا ہمہ جہت اور مکمل احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ تاہم گزشتہ چودہ صدیوں میں سو سے زیادہ زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم ہوئے ہیں اور کم و بیش دو صدیوں میں صرف اردو زبان میں ایک ہزار کے قریب اردو تراجم قرآن ہو چکے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کی اردو زبان میں پہلا ترجمہ مولانا شاہ

رفیع الدین دہلوی کا 1776ء اور دوسرا شاہ عبدالقادر کا 1790ء کا ہے۔ کئی محقق یہ بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلا اردو ترجمہ 1131ء میں ''تفسیر ہندی'' قاضی محمد معظم سنبھلی کا ہے۔

اس کے بعد 1185ء میں ''تفسیر مرادیہ'' کے نام سے مراد اللہ انصاری نے کیا۔ تاہم زیادہ تر محقق شاہ رفیع الدین کے ترجمے کو ہی پہلا اردو ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ اردو میں قرآن حکیم کے ترجمہ تفسیر کی شاندار روایت کی حامل ایک قابل تحسین کاوش جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری جنہیں ان کے عقیدت مند ضیاء الامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ایک نابغۂ روزگار اور ہشت پہلو شخصیت تھے۔ ایک جید عالم دین، عظیم مفسر قرآن، منفرد سیرت نگار، صاحب نظر صوفی تھے۔ دینی تعلیم و تدریس، صحافت، قانون، اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں انہوں نے یادگار نشانیاں چھوڑی ہیں۔ وہ یکم جولائی 1918ء کو بھیرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں سکول داخل ہوئے۔ 1936ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

1941ء میں بی اے کیا اور اسی سال اورینٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی میں عربی میں داخلہ لیا اور اس کے امتحان میں پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ 1951ء میں مصر کی عالمی شہرت یافتہ جامعہ الازہر چلے گئے اور وہاں سے ایم اے اور ایم فل نمایاں پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔ ساڑھے تین سال بعد الازہر سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس وطن تشریف لائے تو اپنے آبائی علاقہ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی اور اس کے نصاب کو معاصر دنیا کی ضروریات اور چیلنجز کے تناظر میں از سر نو ترتیب دیا۔ انہوں نے اپنی خانقاہ کو روحانی مشاغل کے ساتھ علمی مرکز بھی بنایا۔ 1971ء میں پیر کرم شاہ صاحب نے دینی صحافت کے میدان میں رجحان ساز رسالے ''ضیائے حرم'' کا اجراء کیا۔ 1974ء میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کا ادارہ قائم کیا۔ 1970ء کے عشرے سے ذرا پہلے یا اس کے شروع میں ہی انہوں نے اپنی تفسیر قرآن ''ضیاء القرآن'' کا آغاز کیا۔ یہ تفسیر قرآن 19 سال کی مسلسل شب و روز سعی سے مکمل ہوئی۔ ''ضیاء القرآن'' 3500 صفحات اور 5 جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ اپنی متعدد خوبیوں کی بنیاد پر عصر حاضر کی اہم ترین تفسیر قرار دی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ تفسیری ادب میں ایک شاندار اور منفرد اضافہ ہے۔

اس تفسیر قرآن کو ہمارے تفسیری ادب و روایت میں اہم ترین تفاسیر کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری نے بطور خاص تفسیر ابن کثیر، بیضاوی، قرطبیؒ، اور تفسیر مظہری سے استفادہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر تفسیر رازی اور تفسیر روح المعانی سے مباحث اخذ کیے گئے ہیں۔

''ضیاء القرآن'' میں ضیاء الامت نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید کے متن کے مرکزی پیغام کے قریب رہنے کی کوشش کی ہے اور علمی موشگافیوں پر مبنی تفسیری مباحث سے اجتناب کیا ہے۔ اس میں پیر صاحب نے عام قاری کے فہم کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور علماء کے ذوق کی آبیاری بھی کی ہے۔

جسٹس پیر کرم شاہ نے اس تفسیر میں قرآن حکیم کے اہم الفاظ کی لغوی اور نحوی تحقیقات کا بھی خاص اہتمام کیا ہے۔ یہ فہم قرآن کے لیے بڑی اہمیت کی حامل تحقیق ہے بلکہ یہ لسانی ذوق کی دلیل بھی ہے۔

ضیاء الامت کی تفسیر ضیاء القرآن علمی مضامین کے ساتھ ساتھ روحانی مباحث سے بھی مملو ہے۔ وہ جابجا اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہیں اور تلقین غزالی کا اسلوب اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس اعتبار سے پیر کرم شاہ الازہری نے ایک صاحب نظر شیخ طریقت کے طور پر قرآن کے متن سے تصوف کی علمی اساس کو واضح کیا ہے۔ ایسے مقامات پر وہ بالعموم تفسیر مظہری اور روح المعانی کے علاوہ علامہ اسماعیل حقی کی روح البیان سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ مزید برآں تصوف کی اصطلاحات، بنیادی کتب نیز مولانا روم اور علامہ اقبال کے اشعار سے بھی تصوف کے اپنے مضامین کو واضح کرتے ہیں۔

ضیاء القرآن کی مذکورہ بالا عمومی خصوصیات کے علاوہ ایک اہم ترین خصوصیت وہ مباحث اور مضامین ہیں، جو عام طور پر تفاسیر قرآن میں نظر نہیں آتے۔ مفسر قرآن پیر صاحب نے قرآنی صورت کو معاصر دنیا کی صورت حال سے جوڑ کر دیکھا ہے اور قرآن پاک کی تفسیر میں عصر جدید کے سوالات کے جواب بھی تلاش کیے ہیں۔ ضیاء القرآن کی پانچوں جلدوں کے آخر میں مطالب کے عنوان سے مضامین کا انڈیکس دیا گیا ہے اور ان قرآنی آیات کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے تحت ان مباحث پر قرآنی نکتۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔ اس فہرست مضامین میں ہمیں جہاں اسلامی عقائد و اعمال، توحید و رسالت، قیامت اور اوامر و نواہی نیز احکامات دین کے حوالے سے عنوان نظر آتے ہیں۔ انبیاء اکرام کے قصص، کفار و مشرکین کی خرابیوں، مومنین و متقین کا تذکرہ ہے۔ اصحاب رسول اور اہل بیت اطہار کا تعارف ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے موضوعات ہیں وہیں کچھ منفرد عنوانات بھی ہیں جو بہت جاذب نظر اور توجہ کھینچنے والے ہیں۔ ان عنوانات پر نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عصری فہم و شعور کے حامل صوفی نے قرآن حکیم کی ہدایت کو کن کن زاویوں سے دیکھا ہے۔

1۔ انسان اور اس کی عظمت کا قرآنی تصور

2۔ عورت اور اس کے حقوق

3۔ شریعت اسلامیہ کی امتیازی خصوصیات

4۔ معاشیات

5 سیاسیات

6۔ اسلامی اخلاق و آداب

ان عنوانات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مفسر قرآن پیر کرم شاہ الازہری معاصر دنیا کے اہم مباحث سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس بارے میں قرآن مجید سے اخذ ہدایت کا ایک واضح تصور رکھتے ہیں۔ اگر آپ مذکورہ عنوانات کے تحت پیر صاحب کے بیان کردہ تفسیری نکات کو دیکھیں تو آپ کو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ پیر صاحب معاشیات و سیاسیات کے معاصر مباحث سے بھی پوری واقفیت رکھتے ہیں اور ان پر قرآنی موقف کو بڑی صراحت اور قابل فہم دلائل سے بیان کرتے ہیں

جسٹس محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر میں ان مقامات و مسائل کی تفسیر کا بھی خاص اہتمام کیا ہے جن پر مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے یا جن کی بنیاد پر بریلوی مکتب فکر کی طرف شرک یا بدعت کی نسبت کی جاتی ہے۔ ایسے مقامات و موضوعات پر ضیاءالامت نے قرآن مجید پر براہ راست تفکر سے کوئی رائے قائم کرنے کی بجائے کسی روایت یا تفسیری قول کو ہی اپنی ترجیح کی بنیاد بنایا ہے۔ اس تناظر میں انہوں نے معاصر تفاسیر سے وسعت قلبی سے استفادہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ''ضیاءالقرآن'' ایک منفرد تفسیر ہے جسے ایک صاحب طرز ادیب، دینی علوم کے ماہر، ایک نابغہ عصر مفکر اور صاحب دل صوفی نے لکھا ہے اور قرآن کی جامعیت و وسعت کو معاصر ذہن کے لیے قابل فہم بنایا ہے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ پیر صاحب، سید کائنات، صاحب قرآن سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے اس کی جھلک بھی اس کی سطر سطر میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جس سے پیر کرم شاہ الازہری کی عظمت بھی نمایاں ہوئی۔ محترم طالب ہاشمی نے اس تفسیر کے بارے بالکل درست تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''تفسیر ضیاءالقرآن میں ترجمہ کا انداز بے مثل و بے نظیر ہے اور قرآن پاک کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ کو سمجھنے کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں حق تعالیٰ نے خود پیر کرم شاہ کی رہنمائی فرمائی۔ تفسیر کا انداز بیان نہایت دلنشین اور اثر انگیز ہے اور پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ علم و حکمت کی ایک جوئے رواں ہے جو مسلسل بہہ رہی ہے اور ہر شخص اس سے بقدر ظرف استفادہ کر سکتا ہے''